تاریخِ حسینی

اردو ترجمہ مقتلِ لہوف

ناشر:۔ افتخار بک ڈپو۔ کرشن نگر۔ لاہور

تاریخ حسینی

اُردو ترجمہ

مقتل لھوف

مترجمہ

عالی جناب مستطاب پروفیسر ڈاکٹر

آغا مھدی حسین صاحب

ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) ڈی لٹ (پیرس)

ناشر

افتخار بکڈپو کرشن نگر لاہور

مضامین تاریخ حسینی

مضمون	صفحہ
امام حسین علیہ السلام کی ولادت	۱۶
امام حسینؑ سے بیعت کا سوال	۲۲
حضرت مسلمؑ کی روانگی اور مسلمؑ و ہانی کی شہادت	۲۹
حُر کا امام حسینؑ کو حراست میں لینا	۵۷
امیر کی طرف سے جنگ کا انتظام	۶۳
عبادت کی رات	۶۸
شہادت کا دن	۷۲
نعشِ حسین کی بے حرمتی	۱۰۵
حسینی کیمپ میں عرب کے لٹیرے	۱۰۶
قیدیوں کی کربلا سے روانگی	۱۰۷
کوفہ میں قیدیوں کے تڑپا دینے والے خطبے اور دربار میں جرأت کے کلام	۱۱۹
حکومت کی طرف سے اُن کی تکذیب اور ایک نابینا کا اسلام کی حمایت میں قتل	۱۲۹
اسیرانِ حرم کی دمشق کو روانگی	۱۳۸
قیدیوں کا دربارِ یزید میں داخلہ	۱۴۵
دربارِ یزید حسینؑ کا عزاخانہ بن گیا	۱۴۶
رومی سفیر اور یزید	۱۵۸
یزید کی پشیمانی	۱۶۳
مظلوم قیدیوں کی مدینہ کو واپسی	۱۶۴
مدینہ میں امام حسینؑ کا پُرسا	۱۶۷

تقاریظ

تقریظ کتاب از قلم تقدس رقم سرکار شریعت مدار حجۃ الاسلام والمسلمین یوسف الملۃ والدین عالی جناب مستطاب مولانا مقتدانا مولوی السید یوسف حسین صاحب قبلہ نجفی امروہوی مجتہد العصر پروفیسر و ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ دام ظلہم علیٰ رؤس المومنین مادامت السمٰوٰت والارضین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ

امابعد۔ نحیف نے ترجمہ لہوف علیٰ قتلی الطفوف کا جو کتب مقاتل میں بہت مشہور اور مستند کتاب ہے متعدد مقامات سے مطالعہ کیا جس سے فاضل مترجم جناب مولوی مہدی حسین صاحب دہلوی پروفیسر علم تاریخ آگرہ کالج زید فضلہ کی خوش سلیقگی کا کافی اندازہ ہوتا ہے۔ ماشاءاللہ یہ ترجمہ موجودہ زمانہ کے مذاق کے موافق بالکل بامحاورہ ہے اور تعقیدات لفظی و معنوی سے خالی ہے۔ اُمید ہے کہ جملہ برادران اسلامی اس کتاب سے اپنے رسولؐ کے پیارے نواسے حسینؑ مظلوم کے مصائب و نوائب پڑھ کر ماجور و مثاب ہوں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

حررہ السید یوسف حسین النجفی الامروہوی

تقریظ کتاب از قلم اعجاز رقم۔ سرکار شریعت مدار عون الاسلام والمسلمین عالیجناب مستطاب مولانا مقتدانا سیّد العلماء مولوی سیّد محمد صاحب قبلہ مجتہد العصر امروہوی مدظلہم العالی بدوام الایام واللیالی

باسمہ سُبحانہ وتعالیٰ

الحمد للّٰہ اھل العلا والصّلوٰۃ علیٰ رسولہ شمس الضحیٰ و وصیہ بدر الدجیٰ وولدہ نجوم الھدیٰ سیما المقتول بکربلا المذبوح من القفا۔

امابعد۔ یہ ترجمہ جلیل الشّان رفیع المکان کتاب مستطاب لہوف مؤلفہ علّامہ ابن طاؤس علیہ الرحمۃ والرضوان جو منجملہ افادات شریفیہ وافاضات لطیفہ جامع المفاخر والمناقب الجمیلہ مجمع المراتب والمناصب الجلیلہ۔ رکن الارکان عین الانسان والنسان العین جناب آغا مہدی حسین صاحب ایم اے زاد فضلہم ہے نظر قاصر سے گذرا۔ فاضل مترجم نے اس ترجمہ میں جو زحمت و محنت برداشت فرمائی ہے نہایت قابلِ قدر ولائق شکر ہے۔ یہ رسالہ واقعات کربلا کی واقعی تصویر اس کی ہر تقریر دل پذیر پُر تاثیر اور ہر تحریر بےنظیر پُر تنویر ہے۔ مترجم موصوف نے اس خوبی کے ساتھ فرائض ترجمہ کو ادا فرمایا ہے گویا مقتل کی ایک مستقل کتاب اور جدید تالیف شریف و تصنیف لطیف ہے۔ عبارت ایسی نفیس اور پیاری ہے کہ تکلف سے بالکل عاری ہے۔ زبان

ایسی سلیس کہ نہ مسجع ہے نہ مرصع بلکہ واقعات کا سچا مرقع ہے۔ جا بجا مخصوص محاورات کہیں کہیں مفید یادداشت۔ بعض بعض مقامات پر بطور حواشی خاص توضیحات جدید رنگ میں دلچسپ مکالمات۔ اصلی مطالبات کا استحکام کرتے ہوئے سونے پر سہاگے کا کام دے رہے ہیں۔ غرضیکہ یہ ترجمہ کتب مقاتل میں ایک بیش بہا اضافہ اور بلحاظ خصائص اس میں وہ جامعیت ہے کہ زمانہ حاضرہ میں جس کی ضرورت وحاجت ہے۔ ما افاد فقد اجاد۔ انشاء اللہ تعالےٰ یہ ترجمہ جس طرح عموماً ناظرین پاتمکین وجملہ مومنین وموقنین خصوصاً حضرات ذاکرین کے لئے مفید ومعین ہے۔ اسی طرح مترجم ممدوح کے لئے منجملہ باقیات صالحات یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ بموجب اجرِ جزیل وثوابِ جمیل ثابت ہوگا۔ خداوندِ عالم اس مبارک سعی کو اپنے کرم کامل وفضل شامل سے مشکور اور نظرِ قبول سے منظور فرمائے۔

فجزاہ اللہ خیر الجزاء بحق سید الشہداء علیہ التحیۃ والثنا

حررہ

خادم الملۃ سید محمد ایدہ الصمد النقوی الامروہوی

۱۱ ماہ مبارک رمضان ۱۳۴۷ھ

مُحَمَّداً وَّ مُصَلِّیاً وَّ مُبَسمِلاً

موجودہ زمانہ میں علمِ تاریخ کی جو قدر و منزلت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں یہ اَمر مسلّم ہے کہ تاریخ حاصل کئے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوانوں۔ عورتوں اور بچوں میں تاریخی مذاق پیدا ہو اور بجائے لہو و لعب میں وقت ضائع کرنے کے وہ اپنا عزیز وقت تاریخ کے مطالعہ میں صرف کریں۔

تاریخی اعتبار سے واقعہ کربلا کی بڑی اہمیت ہے۔ محرم سنہ ۶۱ ہجری (اکتوبر ۶۸۰ء) کا یہ وہ واقعہ ہے جس نے صبر و رضا۔ توکّل۔ استقلال۔ ایثار قربانی۔ خداشناسی اور حق پرستی کی سُنہری مثال ہمیشہ کے لئے قائم کر دی۔ جس نے عالم کو محاسنِ اخلاق اور مکارم اوصاف اختیار کرنے اور دیں فروشی اور خود غرضی۔ خود ستائی اور مظالم سے نفرت کرنے کا بہترین سبق پڑھا دیا۔

مادیّت کے مقابلہ میں حضرت امام حسین علیہ السّلام نے رُوحانیت کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ اور دنیاوی جبر و تمیت کے مقابلہ میں دینی اقتدار کو جس طرح قائم رکھا اور انتہائے ظلم کے مقابلہ میں جو صبر دکھایا اور جور و جفا کے مقابلہ میں جس ہمّت و جُرأت سے کام لیا دنیا کی تاریخ میں اُس کی

نظیر نہیں ملتی۔

امام حسین علیہ السّلام کا یزید کی بیعت نہ کرنے اَور بخندہ پیشانی جملہ مصائب برداشت کرنے سے اصلی مطلب یہ تھا کہ دُنیا میں حُرّیت اَور امن قائم ہو۔ خدا کی وحدانیت اَور اسلام کی حقانیت ہمیشہ کے لئے مستحکم ہوجائے بنی آدم انسانیت سیکھیں۔ صبر و استقلال سے کام لیں۔ دنیا کی بے ثباتی کو مدِّ نظر رکھیں اور اُس کی ہرجائی دولت و سلطنت پر گرویدہ ہوکر ظلم و جور کے مرتکب نہ ہوں۔ اَور خود غرضی اَور نفسانیت کو اپنا شعار نہ بنائیں۔ اَموی گورنمنٹ نے اس زمانہ میں جبر و تشدّد اَور استبدادیت کی انتہا کردی تھی۔ نہ جان محفوظ تھی نہ مال و عزت نہ کوئی ملکی قانون تھا۔ نہ مذہبی نہ تمدّنی۔ آزادی اور حُرّیت کا تو کیا ذکر ہے؟ عرب کی نسلی خصُوصیتیں اور اسلام کی اچھی صفتیں بھی اُس وقت کے مسلمانوں سے جاچکی تھیں نہ حیا تھی نہ سخاوت نہ اقتصاد نہ محنت نہ ایثار۔

اِس ظلم و جہالت کے تاریک زمانہ میں ایک بھائی اَور بہن یعنی رسُولؐ کے لاڈلے علیؑ و فاطمہؑ کے دلارے حسینؑ اَور ان کی جان نثار بہن جناب زینبؑ نے حق کو قائم کرنے کے لئے ایسی ایسی مُصیبتیں برداشت کیں جن کے تصوّر سے دِل پانی پانی ہوتا ہے۔ اِن معظّمہ نے حسینی کارنامے کو کامیاب بنانے کے لئے عجیب حیرت انگیز کام کئے۔ جب اہلِ مدینہ نے امام حسین علیہ السّلام کو عورتوں کی ہمراہی سے روکا تو جناب زینبؑ نے ایسے

نازک وقت میں اپنے بھائی کے ساتھ رہنے کا فوراً ہی فیصلہ کر لیا۔ واقعی آپ حقیقت شناس تھیں۔ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ اس سفر میں عورتوں اور بچّوں کا نہ ہونا بادشاہِ وقت پر خروج کا بہانہ بن جائے گا۔ اسی وقت سے بھائی کی ایسی رفیق رہیں کہ ابتداء سے انتہا تک کوئی مُصیبت ایسی نہیں ملتی جس میں بھائی کے ساتھ بہن کا حصّہ نہ ہو۔ سفر کی تکلیفوں میں پیاس اور گرمی کی ناقابلِ برداشت صعُوبتوں میں گود کے پالے ہُوئے بچّوں کی مفارقت کی مُصیبتوں میں زینبؑ حسینؑ مظلوم کی شریک تھیں۔ اگر امام حسین ع نے نانا کا دین بچانے کے لئے اپنا گلا کٹا دیا تو زینب (صلوٰۃ اللہ وسلام علیہا) نے کمزوروں کی آزادی۔ عورتوں کی حُرمت قائم رکھنے کے لئے اپنا شانہ ظُلم کی رسّی میں بندھوا دیا۔ اگر امام حسینؑ نے وقت آخر سرمایہ داری کے غرور کو ڈھانے کے لئے بوسیدہ پیراہن جا بجا سے چاک کر کے زیب تن کیا تو جنابؑ نے فاقہ کشوں۔ ناداروں اور لاوارث عورتوں کی حمایت میں پشتِ ناقہ پر کھلے سر بیٹھنا اور کوفہ و شام کے بازاروں میں سر برہنہ تشہیر ہونا گوارا کر لیا جس طرح بھائی نے سُوکھا گلا کٹ جانے کے بعد نوکِ نیزہ پر سے وعظ و نصیحت کی اُسی طرح ستم رسیدہ بہن نے اَسیری اور بے کسی کے عالم میں خطبہ اور وعظ کے ذریعہ حق کی اشاعت کی۔ ٹوٹے ہُوئے دِل سے وہ مضامین نکلے جنہوں نے مُردہ عرب میں ایک نئی رُوح پھُونک دی۔ اس معظمہ کی ہمت جُرأت

شجاعت واستقلال وصبر و ایثار سے قیامت تک کے لئے ہدایت کا سرچشمہ جاری ہوگیا۔حسینی کارنامے کو چار چاند لگ گئے۔اسلام سچّا ثابت ہوگیا۔ تبلیغِ رسالت کی تکمیل ہوگئی۔اور رسولؐ اللہ کی تئیس برس کی ریاضت بربادی سے بچ گئی۔

حقیر کو مظلومِ کربلا خامس آلِ عبا سیّد الشہداء علیہ التحیۃ والثنا کے ساتھ جو ایّامِ طفولیت سے عقیدت رہی اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ کے مصائب کو تاریخی حیثیّت سے مطالعہ کرکے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی خواہش میرے دل میں پیدا ہوگئی۔چنانچہ ابتداءً واقعہ کربلا کی مستند تاریخوں میں سے **مقتل لہوف علیٰ قتلی الطفوف** کا میں نے عربی زبان سے بامحاورہ اور سلیس اُردو میں ترجمہ کیا۔

اس ترجمہ کی خوبیوں کا اندازہ ہر خاص وعام کی بصارت وبصیرت پر موقوف ہے۔اِتنا عرض کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترجمے علی العموم اصل سے زیادہ مشکل ثابت ہوئے ہیں جن کا مطلب صاف نہیں ہوتا اور پڑھنے والے کو اُلجھن سی ہوتی ہے۔مقتل لہوف کی مشکل عبارات پیچیدہ مضامین اور غیر مسلسل روایات سے ترجمہ کرنے میں جو دشواریاں مجھے پیش آئیں اُن کو اصحابِ واقفیّت ہی سمجھ سکتے ہیں بحمد اللہ تمام مشکلیں آسان ہو گئیں۔عبارتیں صاف ہوگئیں۔مضامین کی پیچیدگیاں دُور ہوگئیں اور

روایات میں عمدہ تسلسل قائم ہوگیا۔ اور فرزندِ رسولؐ الثقلین امام حسین علیہ السّلام کے کل حالات نے بالاجمال تاریخی صورت اختیار کرلی۔ تائیدِ غیبی سے اِس کتاب کا نام تاریخِ حسینی رکھا۔ جس طرح حضرت امام حسین علیہ السّلام کو تمامی اقوام دوست رکھتی ہیں۔ اُسی طرح تاریخِ حسینی میں بھی وہی خصُوصیت موجُود ہے اُس کے مطالعہ سے ہر شخص کو بلا تفریق مذہب وملّت دلچسپی ہوگی۔

اِس کتاب کی تیاری میں مجھے جناب مولوی سیّد ارشاد حسین صاحب رضوی بُلند شہری ملا فاضل نے کافی مدد دی ہے۔ پروردگارِ عالم مولوی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے! سرکار شریعت مدار ناصر الملّۃ والدین عماد الاسلام والمسلمین شمس العلماء عالی جناب مستطاب مولانا مقتدانا مولوی السیّد ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلّہم العالی کا بھی میں تہ دل سے متشکّر ہوں جناب مولانا نے صاحبِ مقتل لہوف کے حالات قصص العلماء سے ماخوذ فرما کر مجھے عنایت کئے جن کو میں نے مرتّب کرکے جزوِ کتاب کردیا۔

خادم الثقلین مہدی حسین

گذری منصور خان۔ آگرہ

۲۹ شعبان المعظّم ۱۳۴۷ھ

مطابق ۱۰ فروری ۱۹۲۹ء

صاحبِ مقتلِ لہوف

آپ کا نام علی ہے۔ باپ کا موسیٰ۔ دادا کا نام جعفر۔ پر دادا کا نام محمد بن طاؤس حسینی تھا۔ آپ کا لقب رضی الدین اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ علوم و فنون میں ایسے مراتبِ عالیہ پر فائز ہوئے۔ اور تصنیفات و تالیفات میں اپنی ذاتی قابلیت اور خداداد جدّت و ذہنیت کے وہ جوہر دکھائے کہ دنیا نے آپ کو علّامہ تسلیم کر لیا۔ "اقبال" "لہوف علی قتلی الطفوف" "طرائف" "الامامہ" فلاح السائل" وغیرہ آپ کی تصنیفات و تالیفات کے اعلیٰ نمونے ہیں۔

علّامہ کی والدہ گرامی۔ علّامہ شیخ ورّام بن ابوفراس علیہ الرحمہ کی دختر اور علّامہ شیخ طوسی علیہ الرحمہ کی نواسی تھیں۔ آپ بھی علم و فضل میں اعلیٰ درجہ کا ملکہ رکھتی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کے والد ماجد علّامہ شیخ ورّام نے عورتوں کی امامت کا آپ کو اجازہ بھی دے دیا تھا۔ ایسی قابل اور لائق کا فرزند ایسا ہی عالم اجل اور فاضل بے بدل ہونا چاہیئے تھا جیسا کہ علّامہ رضی الدین ہوئے۔

شیخ احمد احسائی زیارت جامعہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ علّامہ سید رضی الدین علی بن طاؤس نے مقام سامرہ سرداب میں حضرت صاحب الامر عجل اللہ فرجہم

کو اس طرح دُعائے قنوت پڑھتے ہُوئے سُنا۔ اللّٰھمّ انّ شیعتنا خلقوا من فاضل طینتنا وعجنوا بنور ولایتنا - بارالہٰا ہمارے دوست اور نشان قدم پر چلنے والے ہماری بچی ہُوئی مٹی سے پیدا ہوئے تو ان پر رحم کر" ۱) اِس روایت کو شیخ احمد کے علاوہ اوروں نے بھی نقل کیا ہے۔"

علاّمہ کے حسب و نسب اور خلق و ادب کے متعلق اتنا جان لینا کافی ہے کہ امام زمانہ نے آپ کو فرزند فرمایا ہے۔ چنانچہ اردبیلی نے کتاب حدیقۃ الشیعہ اور علی بن عیسٰی نے کشف الغمہ اور علاّمہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار میں اسمٰعیل بن حسن ہرقلی کا ذکر کرتے ہُوئے لکھّا ہے کہ اسمٰعیل بن حسن کو صاحب الامرؑ کی زیارت نصیب ہُوئی۔ حضرت نے فرمایا۔ اسمٰعیل! تم عباسی خلیفہ سے کچھ نہ لینا اور میرے فرزند رضی سے مل کر اُن سے کہنا کہ علی بن عوض کو تمہاری سفارش لکھ دیں۔ تمہارا مقصد علی بن عوض سے پُورا ہو جائے گا۔

سیّد نعمت اللہ جزائری نے کتاب زہر الربیع میں لکھّا ہے کہ خلیفہ ناصر بن مستضی باللہ نے علاّمہ سیّد رضی الدین علی بن طاؤس سے عہدۂ قضا قبُول کرنے کی درخواست کی جس کا عرصہ تک علاّمہ نے کوئی جواب نہ دیا اور بعد میں قبُول کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اور جب لوگوں نے عرصہ تک جواب نہ دینے اور انکار کر دینے کا سبب دریافت کیا تو علاّمہ نے یہ فرمایا کہ

خلیفہ وقت کے عہدہ قضا پیش کرنے پر میری خواہش اور عقل میں مخالفت ہوئی۔ دونوں نے مجھے اپنی اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔

خواہش (علامہ سے مخاطب ہوکر) ہرگز نہیں دیکھو:۔ رضی! دنیا کے دامِ تزویر میں مت پھنسنا۔ اگرچہ دنیا کی وجاہت اِس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر دنیا چند روزہ ہے وہ خود کیا! اور اس کی وجاہت کیا؟ بظاہر تو حکومت کی کرسی پر تم ضرور بٹھا دئے جاؤ گے لیکن ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ بھی تمہاری گردن پر رکھ دیا جائے گا جس کو تم اٹھا نہ سکو گے۔ لغزشیں ہونی ضرور ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ ان لغزشوں کے سبب تم کہیں جنت سے محروم نہ ہو جاؤ۔ میری بات مانو گے تو یقین جانو میں تم کو جنت میں لے ہی پہنچوں گی جو ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کی جگہ ہے۔

علامہ (پوچھنے والوں سے مخاطب ہوکر) بھائیو! میں کبھی تو خواہش کے کہنے میں آجاتا تھا اور کبھی عقل کے سمجھائے ہوئے نشیب و فراز پر غور کرنے لگتا تھا آخر اسی کش مکش کے سبب میں نے منصفی کا عہدہ قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔

آج پچاس برس ہو گئے ہیں کہ میں عقل و خواہش کے ایک مقدمہ کا بھی فیصلہ نہ کر سکا۔ رات دن خلق اللہ کے سینکڑوں مقدمات فیصل کرنے کا بار کیونکر اپنے سر پر لے لیتا؟

جج بن کر عدالت و انصاف کی کرسی پر تو اُس شخص کو بیٹھنا سزاوار ہے جو اپنے نفس پر پُورا پورا قابو رکھتا ہو اور جس کی خواہشات اُس کے ماتحت ہوں۔ جو حق و ناحق میں کما حقہ امتیاز کر سکے اور کسی حالت میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ دے"

علاّمہ مذکور یعنی صاحب مقتل لہوف ۱۵ محرم الحرام ۵۸۹ ہجری بروز پنجشنبہ پیدا ہوئے تھے۔ اور ۵ ذی القعدہ ۶۶۴ھ ہجری کو بروز دوشنبہ آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا سن مبارک پچھتر برس کا ہوا۔ خدا آپ کو غریق رحمت کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمدؒ بن طاؤس الحسینی مقتل لہوف کے مؤلف اس کتاب کی وجہ تالیف میں لکھتے ہیں کہ میں نے جب کتاب مصباح الزائر اور جناح المسافر کو تالیف کیا جس میں عمدہ عمدہ زیارات اور اوقاتِ زیارات کے کل اعمال مندرج تھے اور جن کے ہوتے ہوئے زائر کو اعمال و زیارت کی کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوتی تھی تو میرے جی میں یہ آیا کہ واقعات شہادتِ حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کی چھوٹی سی ایک کتاب تالیف کر دوں تاکہ روز عاشورہ جب زائر روضہ مطہرۂ امام میں جائے تو حالاتِ شہادت پڑھنے کے لئے کسی بڑے مقتل کا بوجھ اٹھانا نہ پڑے اور جس طرح کتاب مصباح الزائر کفایت کرتی تھی اسی طرح یہ بھی کفایت کرے۔ اور زائر ین دونوں کتابوں کو مجلّد کرا کے اپنے ساتھ رکھے۔

میں نے اس تالیف کا نام لہوف علیٰ قتل الطفوف رکھا ہے اور اس کے مضمون کو تین بابوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب۔ اس باب میں شہادت سے قبل کے واقعات مجملاً درج کئے گئے ہیں۔

ولادت باسعادت امام حسینؑ ایک روایت کے مطابق ۵ ماہ شعبان ۴ھ کو ہوئی۔ ایک اور روایت میں تیسری ہجری کے ماہ شعبان کی آخری تاریخوں میں پیدا ہونا لکھا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔ ام الفضل زوجہ حضرت عباسؓ (عمّ رسول مقبول) کا بیان ہے کہ میں نے امام حسینؑ کی ولادت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ کے گوشت سے ایک ٹکڑا جدا کیا گیا ہے اور میری گود میں دے دیا گیا ہے" میں نے اس خواب کو رسولِ خدا کی خدمت میں بیان کیا تو آپ نے فرمایا چچی جان! اگر آپ نے ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا بیان کیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری پارۂ جگر فاطمہؑ کے بطن سے ایک مولودِ مسعود کا ظہور ہونے والا ہے جو بغرضِ رضاعت آپ کی گود میں دیا جائے گا۔ جناب ام الفضل فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ کی تعبیر آخر پوری ہوئی اور امام حسینؑ پیدا ہو گئے۔ اور دودھ پلانے کے لئے میری گود میں دے گئے۔ ایک دن جو میں حسینؑ کو رسول اللہؐ کی خدمت میں لائی اور آپ کی گود میں دیا تو حسینؑ نے گود میں جاتے ہی پیشاب کر دیا۔ گدیلے سے چھوٹ کر پیشاب کا ایک قطرہ آپ کے لباس پر ٹپک گیا۔ میں نے جھنجھلا کر آپ کی گود سے حسینؑ کو لینا چاہا تو حسینؑ رو دیئے" آں حضرتؐ نے فرمایا۔ اے چچی! جھٹک کر میری گود سے حسینؑ کو نہ لیجئے۔ میرا کپڑا تو دھل کر طاہر ہو جائے گا مگر حسینؑ کے رونے کی وجہ سے جو چوٹ میرے دل پر لگی وہ دور نہیں ہو سکتی"۔ جناب ام الفضل

کہتی ہیں میں نے حسین کو آپ کی گود میں چھوڑ دیا۔ اور خود جا کر آپ کی خدمت میں پانی لائی۔ دیکھتی کیا ہوں کہ آپ گریہ فرما رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ کے رونے کا کیا باعث ہے؟ فرمایا ابھی جبرئیل امین نے مجھے خبر پہنچائی ہے کہ میری اُمت میرے اس فرزند کو قتل کرے گی خدا منعالم روز قیامت اُن کو میری شفاعت سے محروم رکھے گا۔

کل راویانِ حدیث کا اِس پر اتفاق ہے کہ جب امام حسینؑ پورے ایک برس کے ہو گئے تو جناب ختمی مرتبت کی خدمت میں بارہ فرشتے نازل ہوئے۔ پہلا شیر کی صورت پر تھا۔ دوسرا ابیل کی شکل میں تھا۔ تیسرے کی ہیئت اژدہے کی سی تھی۔ چوتھا آدمی کا حلیہ رکھتا تھا۔ اور باقی آٹھوں بھی جداگانہ شکلیں رکھتے تھے۔ اُن کے چہرے سُرخ تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بازوؤں کو پھیلائے یہ کہہ رہے تھے۔ اَے محمدؐ! عنقریب آپ کے فرزند حسینؑ پر وہ ظلم کیا جائے گا جو ہابیل پر قابیل نے کیا تھا۔ حسین کو ہابیل کے برابر اجر دیا جائے۔ اور قاتل حسینؑ قابیل کی طرح عذاب میں گرفتار ہوگا۔ غرض کہ آسمانوں میں کوئی فرشتہ ایسا باقی نہ رہا جو خدمتِ میں جنابِ سرورِ کائنات کی نہ آیا ہو۔ ہر ایک سلام کرتا اور حسینؑ کے بارے میں رسول کو پُرسا دیتا تھا۔ حسین کے اجر و ثواب کو بیان کرتا تھا اور قتل گاہ کی مٹی کو پیش کرتا تھا۔ نبی کریم فرماتے جاتے تھے اے اللہ جو حسینؑ سے تعلق نہ رکھے تو بھی اُس پر نظرِ لطف نہ کرنا اور جو اسے

قتل کرے تو اُسے قتل کرنا اور ہمیشہ اُسے نامراد رکھنا۔"

جب امام حسینؑ کامل دو برس کے ہوئے تو جناب احمد مختار کو ایک سفر درپیش ہوا۔ اثنا سفر میں ایک منزل پر قیام کیا اور یکایک کلمۂ انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کی زبان پر جاری ہوا۔ اور چشمہائے مبارک سے آنسو ٹپکنے لگے اصحاب نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا جبرئیل میرے پاس آئے ہوئے ہیں۔ زمین شط فرات کی خبر دیتے ہیں جس کا دوسرا نام کربلا ہے میری فاطمہ کا بیٹا حسینؑ اسی سرزمین پر قتل کیا جائے گا۔" اصحاب نے دریافت کیا یا رسول اللہ! حسین کو کون قتل کرے گا؟

ارشاد فرمایا۔ جو شخص اُسے قتل کرے گا اُس کا نام یزید ہے حسین کے قتل ہونے کا منظر اور اُس کے دفن ہونے کی جگہ اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔"

رسُول اللہ اندوہگین اور غمگین اِس سفر سے آخر مدینہ کو واپس ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر ممبر پر تشریف لے گئے۔ مسلمانوں کو پند و نصائح سے مالا مال کیا۔ حسنؑ و حسینؑ دونوں نواسے حضور کے سامنے موجود تھے۔ جب خطبہ سے فراغت ہوئی تو دایاں ہاتھ حسنؑ کے سر پر رکھا اور بایاں ہاتھ حسینؑ کے سر پر رکھا۔ پھر آسمان کی جانب نظر کی اور کہا اے اللہ! بیشک محمدؐ تیرا بندہ اور تیرا پیغمبر ہے اور حسنؑ و حسینؑ یہ دونوں میری عترت، میری ذرّیت میری نسل میں بہترین اور

نیکوترین ہیں۔ اور یہ دونوں وہ ہیں جن کو میں اپنی اُمت میں امانت چھوڑوں گا۔ مگر جبرئیل نے مجھے خبر پہنچائی ہے کہ یہ بچہ قتل کردیا جائے گا اور کوئی اُس کی نصرت نہ کرے گا۔ اے اللہ! شہادت اس کے لئے مبارک فرما اور شہیدوں کی سیادت اسکے لئے مخصوص کر دے۔ حسینؑ کے قاتل کو اپنی رحمت سے دُور رکھ۔ یہ سننا تھا کہ اصحابِ رسول چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ حضرت نے فرمایا آج تم لوگ حسین کے لئے روتے ہو لیکن کل کوئی بھی تم میں سے اُس کی نصرت وحمایت نہ کرے گا۔ یہ کہہ کر حضورؐ نے پھر پند و نصائح کی طرف توجہ فرمائی اور خطبہ کی دوسری فصل شروع کر دی مگر آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا تھا۔ چشمانِ حق بین سے آنسو جاری تھے اور مختصر خطبہ پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا۔ اے مسلمانو! میں تمہارے درمیان دو بیش بہا چیزیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ ان میں سے ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت۔ میری ذرّیت۔ میری نسل۔ میرا گوشت و پوست میرے اہل بیت میرے نخلِ حیات کے پھل ہیں جن کو تمہارے سپرد کرتا ہوں یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گی جب تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے نہ ملیں۔ یاد رکھو مجھے اِن دونوں کا حوض کوثر پر انتظار رہے گا۔ میں نے تم لوگوں کی ہدایت میں جو رنج و تعب اٹھایا ہے اُس کا عوض تم سے وہی مانگتا ہوں جس کے لئے خدا کی طرف سے مامور ہوں۔ اور وہ یہ کہ اپنی محبت کو میرے اہل بیت سے مخصوص کر دو۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ محشر میں تم لوگ میرے

سامنے آؤ۔ اور تمہارے چہروں سے بغض و عداوت اہل بیت کے آثار نمایاں ہوں۔ تم کو یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ قیامت کے روز اس اُمّت کے تین گروہ میرے پاس آئیں گے۔ پہلے گروہ کے چہرے سیاہ ہوں گے جنہیں دیکھ کر فرشتوں کو بھی حیرت ہوگی وہ میرے قریب آکر رک جائیں گے۔ میں کہوں گا کون ہو؟ وہ لوگ میرا نام لینا بھول جائیں گے۔ اور جواب دیں گے کہ ہم عرب کے خدا پرست ہیں۔ اُس وقت میں کہوں گا عرب و عجم کا نبی میں ہی تو ہوں۔ احمد میرا ہی تو نام ہے۔ تب وہ کہیں گے۔ اے احمد مجتبیٰ! ہم بھی آپ ہی کی اُمّت میں ہیں۔ میں پوچھوں گا تم نے میری عترت۔ میری ذریت کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کتاب کے ساتھ کس طرح پیش آئے۔ اس پر وہ کہیں گے، ہم نے کتاب خدا میں ذرا غور و فکر سے کام نہیں لیا اور کوئی مفاد اس سے حاصل نہیں کیا۔ آپ کی عترتِ طاہرہ کے حق میں تو کوشش یہ ہی رہی کہ ان کو رُوئے زمین سے ناپید کر دیں۔ جب وہ یہ کہیں گے تو میں اُن کی طرف سے اپنا مُنہ پھیر لُوں گا اور وہ اس طرح پیاسے میرے سامنے سے ہٹا دیئے جائیں گے اور سب کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ پھر دوسرا گروہ میرے پاس آئے گا ان لوگوں کے چہرے اور بھی سیاہ ہوں گے تو میں دریافت کروں گا تم نے ثقلِ اکبر کتابِ خدا اور ثقلِ اصغر میری عترت کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ وہ کہیں گے ہم نے ثقلِ اکبر کی مخالفت کی ہے۔ ثقلِ اصغر سے کوئی

تعلق ہی نہ رکھا۔ قرآن کو پارہ پارہ اور عترت کو ٹکڑے کر کے ہلاک کردیا۔ میں اُن سے کہوں گا۔ میرے سامنے سے دُور ہو جاؤ۔ اُن کو بھی پیاسا ہی ہٹادیا جائے گا اور اُن کے چہرے بھی سیاہ ہو جائیں گے۔ پھر میرے پاس تیسرا گروہ وہ آئے گا جن کے چہرے نُورانی ہوں گے۔ میں دریافت کروں گا۔ "تم کون ہو؟" وہ جواب دیں گے۔ ہم توحید کا کلمہ پڑھنے والے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کرنے والے۔ محمد مصطفےٰؐ کی اُمت اور حق پرستوں کی جماعت ہیں۔ ہم نے کتابِ خدا پر پُورا پُورا عمل کیا۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا اپنے نبی کی عترت کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ ہر طرح سے اُن کی نصرت کی اور اُن کے دُشمنوں سے جدال و قتال کیا۔ تب میں اُن سے کہوں گا۔ "میں ہی تمہارا نبی ہُوں۔ میرا ہی نام محمدؐ ہے۔ تم اپنے بیان میں سچے ہو۔ تم نے دارِ دنیا میں واقعی اسی طرح زندگی بسر کی ہے۔" پھر میں ان کو حوضِ کوثر کے چھلکتے ہُوئے جاموں سے سیراب کروں گا۔ جس دن سے رسُول اللہ نے قتلِ حسینؑ کی خبر پہنچائی تھی لوگوں میں برابر اس کے چرچے رہا کرتے تھے اور فرزندِ رسولؐ کے قتل کا ذکر ہوتا تھا تو سُننے والے کانوں پہ ہاتھ دھر لیتے تھے۔ ہر شخص کو یہ تشویش تھی کہ دیکھئے وہ حادثہ کب ظہور میں آتا ہے۔

جب (پندرہ) رجب سنہ ۶۰ھ کو معاویہ پسر ابوسفیان نے وفات پائی اور یزید تختِ خلافت پر متمکن ہُوا۔ تو اُس نے حاکمِ مدینہ ولید بن عتبہ

(بن ابوسفیان) کے نام یہ فرمان جاری کیا کہ کل اہلِ مدینہ سے ہماری بیعت لو اور حسین سے خصوصیت کے ساتھ بیعت طلب کرو۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو خیر ورنہ سر کاٹ کر ہمارے دربار میں بھیجو۔ جب ولید کو یہ فرمان وصول ہُوا تو اُس نے مروان کو بُلایا۔ اور امام حسینؑ کے معاملہ میں مشورہ کیا۔ مروان نے کہا۔ حسینؑ ہرگز یزید کی بیعت نہ کریں گے۔ لیکن اگر میں تیری جگہ ہوتا تو بیعت نہ کرنے پر حسینؑ کا سر کٹوا دیتا۔ ولید نہ چاہتا تھا کہ خونِ حسینؑ سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرے اس لئے امرِ بیعت نے اس کو عجیب کش مکش کی حالت میں گرفتار کر دیا تھا۔ کہنے لگا کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا ؎

مرا اے کاشکے مادر نمی زاد دگر می زاد پس شیرم نمی داد

مجبُور ہو کر فرزندِ رسول کے بُلانے کو خادم روانہ کیا۔ سرورِ جوانانِ بہشت اپنے عزیزوں اور دوستوں میں سے کل تیس دلیروں کو ہمراہ لے کر ولید کے پاس دارالامارہ میں پہنچ گئے۔ ولید نے آپ کو معاویہ کی خبرِ مرگ سنائی اور بیعت کے متعلق یزید کی دلی تمنّا کا اظہار کیا۔ حضرت نے بعد تعزیت کے فرمایا اے امیر! بیعت پوشیدہ طریقہ سے نہیں ہوا کرتی۔ کل دن میں جب اور اہلِ مدینہ کو طلب کرنا مجھے بھی بُلا لینا۔ وہ مروان بائیں طرف پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اے امیر حسین کے عذر کو ہرگز قبول نہ کر۔ بیعت نہیں کرتے تو فوراً ان کا سر اڑا دے۔ یہ سُنتا تھا کہ امام عالی مقام کو جلال آگیا۔ اور مروان سے

فرمایا۔ اے دشمنِ خدا۔ تو میرے قتل کا مشورہ دیتا ہے۔ خدا کی قسم جان دے دوں گا مگر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دوں گا۔" پھر آپ نے ولید سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "ہم نبوّت کا خاندان اور رسالت کی کان ہیں۔ اِسی گھر میں فرشتوں کی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ عالمِ ایجاد کا آغاز خدا نے ہمیں سے کیا اور انجام بھی ہم ہی پر ہوگا۔ یعنی ابتدا بھی محمدؐ سے ہے اور انتہا بھی محمد ہی پر ہوگی۔ یزید شراب خوار۔ بدکار۔ خونخوار اور نابکار ہے۔ میں اس کی بیعت کی ذلت کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے کہ صبح پر یہ معاملہ موقوف رکھا جائے۔ اس اثنا میں مَیں بھی غور کروں گا۔ اور تم بھی سوچ لو کہ سزاوارِ بیعت اور حقدارِ خلافت حسین ہے یا یزید؟ یہ فرما کر حضرت ہمراہیوں سمیت واپس تشریف لے آئے۔ بعد کو مروان نے کہا ولید! تو نے میرا کہنا نہ مانا؟ ولید نے کہا بکتا کیا ہے تو مجھے دین و دُنیا دونوں سے کھوئے دیتا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ ساری دنیا بھی ملتی ہو تب بھی امام حسینؑ کا قتل مجھے منظور نہ ہوگا۔ خدا کی قسم جو حسینؑ کو قتل کرے گا روزِ محشر اُس کے پلّہ میں ایک بھی نیکی نہ ہوگی۔ خداوند عالم نہ تو اُس پر نظرِ رحمت فرمائے گا نہ اس کو معاف ہی کرے گا۔ اور قاتلِ حسین کو ہمیشہ کے لئے سخت عذاب بھگتنا پڑے گا۔ جب صبح ہوئی اور امام حسینؑ دولت سرا سے باہر تشریف لائے تو مروان سے ملاقات ہوئی وہ کہنے لگا۔ اے حسینؑ میری بات مانو تمہارے لئے بہتری ہوگی۔" فرمایا بیان کرو وہ کیا بات ہے۔

مروان نے کہا میں آپ کو بیعت یزید کی صلاح دیتا ہوں۔ اِس سے آپ کا دنیا
میں بھی بھلا ہوگا اور دین میں بھی۔ حضرت نے آہ سرد بھری اور کلمہ انا للہ
وانا الیہ راجعون زبانِ مبارک پر جاری کیا اور فرمایا اگر یزید اُمّت کا رہبر
تسلیم کر لیا گیا ہے تو اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔ میں نے اپنے جدّا مجد جناب
رسولِ خدا سے سُنا ہے کہ بنی سفیان مسندِ خلافت پر بیٹھیں گے تو خلافِ شریعت
احکام جاری کریں گے۔ غرض امام حسینؑ اور مروان کے درمیان دیر تک گفتگو
رہی۔ مروان نے جب اپنا مطلب نکلتے نہ دیکھا تو کھسیانا ہو کر گھر کو لوٹ
گیا جب دن چڑھ گیا تو امام حسین علیہ السّلام نے تیسری ماہ شعبان ۶۰ھ
کو مکہ معظمہ کا سفر اختیار کیا۔ بقیہ ماہ شعبان۔ رمضان۔ شوال اور ذیقعدہ
کے مہینوں میں آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ مکہ سے بھی جب آپ سفر کرنے
پر مجبور ہوئے تو عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ خدمت میں حاضر
ہوئے اور مکہ میں قیام فرمانے کا مشورہ دیا۔ حضرت نے دونوں کے جواب
میں اتنا فرمایا کہ میں فرمانِ رسول کا پابند ہوں" اِس کے بعد عبداللہ بن عباسؓ
تو کی فریاد کرتے ہوئے فرزندِ رسولؐ کی خدمت سے اُٹھ کر چلے گئے
عبداللہ بن عمر آئے اور اُنہوں نے بھی اہلِ شر سے مصالحت ہی کا مشورہ
دیا اور جدال و قتال سے منع کیا۔ آپ نے فرمایا" اے ابن عمر! کیا تم کو
معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی نظروں میں دنیا کا کوئی وقار نہیں۔ یہ وہ

ذلت کا گھر ہے جہاں حضرت یحییٰ بن ذکریا کا سر بنی اسرائیل میں سے ایک ولدالزنا کی طرف ہدیہ کیا گیا کیا تم کو خبر نہیں کہ بنی اسرائیل فجر کے بعد سے نکلتے نکلتے ستر پیغمبروں کا خون کر دیتے تھے۔ گویا انہوں نے کچھ کیا ہی نہیں باوجود ان مظالم کے پروردگار عالم نے اُن کی فوری گرفت نہیں کی بلکہ اُن کو اور آزادی اور مُہلت دے دی۔ بالآخر قدرت نے ایسی گرفت کی کہ کوئی نہ بچا۔ خدا سب پر غالب ہے اور انتقام ضرور لیتا ہے۔ اے ابن عمرؓ! خوب سمجھ لو کہ میری نصرت تم پر بھی واجب ولازم ہے۔

جب کوفیوں کو آپ کے مکہ میں تشریف لانے اور یزید کی بیعت سے انکار کرنے کی خبر پہنچی تو عمائدین کوفہ سلیمان بن سرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے اور ایک بہت بڑا مجمع ہو جانے پر خطیب نے خطبہ پڑھا۔ اور آخر میں کہا اے شیعیان کوفہ! تمہیں یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ معاویہؓ مر گیا اور اس کا بیٹا یزید مسند نشین ہو گیا۔ یزید کی مخالفت پر امام حسینؑ آمادہ ہیں اور سفیانی سرکشوں سے جان بچا کر مکہ آ گئے ہیں۔ اے اہل کوفہ! تم کو خود ہی حسینؑ اور اُن کے پدر عالی مقام علی بن ابی طالب کے شیعہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ آج اُن کو تمہاری نصرت کی ضرورت ہے۔ اگر تم میں کچھ حمیت باقی ہے اور فرزند رسولؐ کی اس مُصیبت کے وقت میں اعانت ونصرت کو واجب سمجھتے ہو تو

لہ اب اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔

انہیں خط لکھ بھیجو۔ لیکن یاد رکھنا کہے دیتا ہوں کہ ذرا بھی تمہیں اس معاملہ میں تذبذب ہو تو ہرگز اس کارِ عظیم کے ذمتہ کا بار نہ اٹھانا اور وقت پر آقائے نامدار کو دغا نہ دینا۔ آخر باتفاق رائے امام حسینؑ کو خط لکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

"یہ خط سلیمان بن صرد خزاعی سیب بن نخبتہ رفاقہ بن شداد و حبیب بن مظاہر۔ عبداللہ بن دال اور با ایمان شیعوں کی طرف سے امیر المومنین امام حسینؑ کے نام ہے۔ اے فرزندِ رسول! خدا آپ کو بعافیت رکھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے آپ کے اور آپ کے والد ماجد کے پرانے دشمن کو ہلاک کر دیا جو جبّار۔ بد رفتار ستمگار اور ظلم شعار تھا۔ محض تزویر اور شمشیر کے زور سے اُمّت کا حاکم بن بیٹھا تھا۔ مالِ خمس اُس نے غصب کر لیا تھا۔ اور خود کو زبردستی امیر المومنین کہلواتا تھا۔ اُس نے نیکوں کو چن چن کر قتل کرایا اور بدوں کو قتل سے امان دی۔ خدا کے مال کو اپنے مصاحبانِ جابر کے لئے دولتِ پناہ بنا دیا۔ خدا اُس کو قومِ ثمود کی طرح عذاب میں مبتلا کرے اور صفحۂ روزگار پر اُس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ اے حسینؑ! اب کوئی ہمارا امام نہیں ہے جلد تشریف لائیے۔ شاید خداوند عالم ہم کو آپ ہی کے ذریعہ سے ہدایت کرے۔ امیرِ شام کی طرف سے نعمان بن بشیر حاکمِ کوفہ ہے اور ہم اس سے بیزار ہیں۔ نہ ہم جمعہ اور جماعت میں اُس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں نہ عید

ہی کی نماز میں۔ اِس لئے وہ بھی زیادہ تر اپنے قصر میں رہتا ہے۔ جب ہم آپ کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھیں گے تو فوراً اُس کو نکال باہر کریں گے اور سرحدِ شام تک اُس کو بھگائے بغیر دم نہ لیں گے۔ اے فرزندِ رسولؐ! ہمارا آپ کو سلام پہنچے۔ خدا اپنی رحمتیں آپ کے پدر عالی قدر پر اور آپ پر نازل فرمائے ہماری تو بس اللہ ہی سے لو لگی ہے "

اتنا لکھ کر خط کو بند کیا اور روانہ کر دیا (پھر غور و فکر میں پڑ گئے) دو دن کے بعد ایک جماعت کو تقریباً ایک سو پچاس خطوط دے کر امام حسینؑ کی خدمت میں بھیجا۔ ان خطوط میں بعض تو ایک ہی شخص کی طرف سے تھے بعض دو شخصوں کی طرف سے بعض کو تین آدمیوں نے لکھا تھا اور بعض کو چار آدمیوں نے مگر ما حصل سب نوشتوں کا یہ ہی تھا کہ فرزندِ رسول جلد تشریف لائیے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ باوجود اتنی زبردست تحریک کے بھی امام حسینؑ نے توجہ نہ فرمائی۔ اور ان کے خطوط کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر کوفیوں کی طلب اور بڑھی۔ اِس قدر عرضیاں بھیجی گئیں کہ ایک ہی دن میں حضرت کو سو نامے وصول ہوئے۔ جب اُن خطوں کو جو مختلف اوقات میں حضرت کو وصول ہوئے تھے جمع کیا گیا تو شمار میں بارہ ہزار نکلے۔ آخری خط جو امام حسینؑ کو اہلِ کوفہ کی طرف سے ملا یہ تھا۔

" یہ خط شیعیانِ حسینؑ اور شیعیانِ علیؑ کا امیر المومنین حسین بن علیؑ کے

تام ہے۔ اما بعد یہاں کوفہ کے تمام باشندوں کو آپ کا سخت انتظار ہے وہ
آپ کے علاوہ کسی کو منصب امامت کے لائق نہیں سمجھتے۔ خدا کے لئے
جلد تشریف لائیے تاکہ ان کا اضطراب کم ہو۔ یا ابن رسول اللہ! موسم بہار ہے
غلہ تیار ہے پھل پک گئے ہیں، زمین سبزہ زار بن رہی ہے۔ درخت نئے
نئے اور سبز پتوں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ وقت مناسب دیکھ کر کوفہ کو روانہ ہو
جائیے۔ جب آپ یہاں پہنچیں گے تو اپنی نصرت کے لئے بڑا بھاری لشکر
تیار پائیں گے۔ خداوند عالم آپ کے پدر بزرگوار پر اور آپ پر رحمتیں نازل کرے۔
اس خط کو ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی لے کر جناب امام
حسینؑ کی خدمت میں آئے تھے۔ آپ نے ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن
عبداللہ حنفی سے فرمایا کس کس نے متفق ہو کر یہ خط مجھے لکھا ہے اور تمہارے
ہاتھوں روانہ کیا ہے؟ اُن دونوں نے کہا یا ابن رسول اللہ شبث بن ربعی حجاز
بن الجر۔ یزید بن وارث۔ یزید بن رویم۔ عروہ بن لیس۔ سمر بن حجاج۔ محمد بن عمیر
بن عطارد۔ ان لوگوں کے اتفاق سے یہ خط آپ کی خدمت میں روانہ کیا گیا ہے
اس وقت امام حسینؑ کھڑے ہو گئے۔ رکن و مقام کے درمیان دو رکعت نماز
ادا فرمائی اور درگاہِ احدیت میں دعا کی۔ "پروردگارا حسینؑ کو کوفے کا سفر در پیش
ہے تو حسینؑ کی مدد کرنا اور اس سفر کا انجام بخیر کرنا۔" پھر آپ نے اپنے چچا زاد
بھائی مسلم بن عقیل کو طلب فرما کر صورتِ حال سے آگاہ کیا اور فرمایا اب حسینؑ

کے لئے سفرِ عراق ناگزیر ہے۔ اسلام خطرہ میں ہے اور مجھ کو نانا کی شریعت قائم رکھنے کے لئے اہلِ کوفہ طلب کر رہے ہیں۔ اے بھائی! مصلحت اسی میں ہے کہ مجھ سے پہلے تم سفر کوفہ اختیار کرو۔ حضرت مسلم روانہ ہوئے تو انہیں کے ہمراہ امام حسینؑ نے تمام خطوط کا جواب لکھ کر روانہ کر دیا۔ جواب کا مضمون یہ تھا۔ تمہارے بے شمار خطوں اور بے حد تقاضوں نے مجھ پر تمہاری ہدایت کے لئے آنا ضروری کر دیا۔ پہلے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو تمہاری طرف روانہ کرتا ہوں تاکہ وہ تمہاری حُسنِ عقیدت اپنی ذاتی تصدیق سے مجھ پر روشن کر دیں۔

حضرت مُسلم روانہ ہو کر کوفہ پہنچ گئے۔ جب کوفہ والوں کو یہ معلوم ہوا کہ فرزندِ رسولؐ نے اُن کے خطوط کا جواب دیا ہے اور خود بھی بنفسِ نفیس آیا چاہتے ہیں تو بے حد خوش ہوئے۔ اور حضرت مُسلم کا نہایت سرگرمی سے استقبال کیا۔ اور انہیں کوفہ کے ایک مقتدر رئیس مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر میں ٹھہرایا۔ پھر تو شیعوں کا آنا اُن کے پاس شروع ہو گیا۔ جب حضرت مسلم کی خدمت میں کافی جماعت شیعوں کی اکٹھی ہو گئی تو آپ نے ان کو امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سُنایا۔ کوفہ کی پبلک میں فرزند رسول کے خط سے شوقِ زیارت اور جوشِ محبّت کا دفور ہوا۔ اضطراب اور بے چینی کے عالم میں گریہ و بکا کی آوازیں بُلند ہو گئیں۔ اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ کوفہ کا یہ رنگ دیکھ کر شیعیانِ یزید میں سے عبداللہ بن مسلم عمارہ بن ولید۔ عمر بن سعد نے یزید کو خط لکھا کہ مسلم کوفہ

میں آ پہنچے اور شہر کے اکثر باشندوں نے اُن کی بیعت کر لی ہے۔ اِسی خط میں انہوں نے یزید کو یہ مشورہ بھی دیا کہ نعمان بن بشیر کو ہٹا کر کسی دوسرے والی کو کوفہ بھیج دیا جائے۔ اِس خط کو پڑھتے ہی فوراً یزید نے ابن زیاد والی بصرہ کے نام فرمان جاری کیا اور حکم دیا کہ ہم نے تمہیں کوفہ کا والی مقرر کیا۔ اور بصرہ بھی تمہارے ہی زیرِ حکومت رہے گا۔ پھر ابن زیاد کو مسلم بن عقیل اور امام حسینؑ کے معاملات سے آگاہ کیا اور لکھا کہ خبردار! مسلم کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ یہ فرمان پڑھ کر عبداللہ بن زیاد نے سفرِ کوفہ کی تیاری کی۔

انہیں ایام میں حضرت امام حسینؑ نے بھی اشرافِ بصرہ میں سے یزید بن مسعود۔ منذر بن جارود وغیرہ کے نام ایک خط لکھا جس کو اپنے غلام سلیمان کے ہاتھ روانہ کیا۔ آپ نے اس خط میں بصرہ والوں کو اپنی نصرت و اطاعت کے لئے طلب کیا۔ فرزندِ رسول کے خط کا صرف یزید بن مسعود پر اثر ہوا۔ انہوں نے قبائل بنی تمیم بنی حنظلہ اور بنی سعد کو جمع کیا اور کہا

"اے تمیم[۱] کے بہادرو! تم جانتے ہو، میری شخصیت کیا ہے؟ اور میرا حسب و نسب کیا ہے؟ سب نے کہا آپ ہماری پشت پناہ ہیں فخر و مباہات کے تاجدار ہیں، شرافت و فضیلت کے صدر نشین ہیں۔ غرض تمام خوبیوں کے مالک ہیں۔ یزید بن مسعود نے کہا میں نے تمہیں اس وقت

---

[۱] تمیم ایک قبیلہ ہے۔

ایک امر میں مشورہ دینے اور اعانت کرنے کے لئے بلایا ہے؟ سب نے جواب دیا، خدا کی قسم ہم ہر طرح سے آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ فرمائیے تو کیا بات ہے؟ "یزید بن مسعود نے کہا کہ معاویہ مرگیا اور اس کے ظلم و ستم بھی اُٹھ گئے۔ اپنے زعم میں تو وہ یزید کی بیعت کی گرہ مضبوط باندھ گیا ہے مگر اُس کی مُراد پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ اس لئے کہ اس نے یزید کی بیعت کے بارے میں مشورہ لیا تو کسی نے تائید نہیں کی اب اُس کی جگہ اُس کا شراب خوار دنیا بھر کا بدکار بیٹا (یزید) بیٹھ گیا ہے جو خلافت کا مدعی ہے۔ اور زبردستی مسلمانوں کا حاکم بن گیا ہے باوجودیکہ اس میں نہ بردباری ہے نہ علم ہے وہ حق و ناحق میں فرق نہیں کرسکتا۔ خدا کی قسم اس سے جہاد کرنا مشرکین سے جہاد کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ بتلاؤ تو سہی بھلا ایسا بھی کوئی ہے جو یزید کے مقابلہ میں فرزند رسول الثقلین جناب امام حسینؑ کی طہارت ذاتی اور شرافت صفاتی کو نہ جانتا ہو۔ ان کے مکارمِ اخلاق اور محاسن اوصاف کا احاطہ نہیں ہوسکتا چھوٹوں پر شفقت کرنا اور بوڑھوں کے ساتھ بھلائی کرنا ان کی عادت ہے۔ وہ مجمع البحرین علوم ہیں۔ وہ ہی اپنی سبقت اسلامی۔ کبرسنی اور قرابتِ رسولؐ کے لحاظ سے نیابتِ رسول کے مستحق ہیں۔ وہ خدا کی حجت ہیں۔ اور اس کے احکام جاری کرنے والے ہیں۔ ان سے بہتر کوئی حاکم اور پیشوا تم کو مل نہیں سکتا۔ دیکھو! میرے پاس خط بھی آیا ہے۔ فرزند رسول کی آواز پر

لبیک کہو اور آفتابِ امامت کی روشنی سے فائدہ اٹھاکر ضلالت وجہالت کی تاریکی سے نکلو۔ کل صخر بن قیس نے جنگ جمل میں تمہیں رسوا کیا تھا۔ آج قرۃ العین رسولؐ جانِ علیؑ و بتولؑ کی نصرت کرکے اس ننگ و عار کو دھو ڈالو۔ خدا کی قسم جو کوئی امام عالی مقام کی نصرت میں کوتاہی کرے گا۔ خدائے تعالیٰ اُس کی نسل کو ذلیل کرے گا اور اس کے قبیلہ اور عشیرہ میں کبھی کثرت نہ ہوگی۔ لو میں نے اب زرہ پہن لی۔ ہتھیار بدن پر لگا لئے۔ یہ سوچ کر کہ مرنا ضرور ہے جو قتل نہ ہوگا وہ بھی مرے گا اور جو جنگ سے بھاگے گا وہ بھی موت سے ہرگز نہ بچے گا۔ خدا تم پر رحم کرے۔ میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے اُس کا معقول جواب دینا بنی حنظلہ نے کہا، ہمیں تو آپ اپنے ترکش کا تیر اور قبیلہ کا شہسوار سمجھئے۔ ہر طرح کا ہم پر اختیار ہے۔ آپ ہمیں جس کسی کے مقابل بھیجیں گے۔ تیر کی طرح نشانہ پر پہنچیں گے۔ آپ ہمیں ساتھ لے کر جس سے جنگ کریں گے فتحیاب ہوں گے خدا کی قسم ہم ہر مصیبت میں آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ اور ہر آفت میں آپ کی نصرت کے لئے آمادہ ہیں جب چاہیئے آزما لیجئے۔ تلواروں سے آپ کی حمایت کریں گے اور اپنی جانوں کو آپ کی سپر بنا دیں گے۔ بنی تمیم نے کہا اے امیر ہم اور آپ تو ایک دادا کی اولاد ہیں۔ آپ کی ناخوشی ہم کسی طرح گوارا نہیں کرسکتے۔ بغیر آپ کے ہمیں کوئی مقام اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ہم تو ہر صورت سے آپ ہی کے ہیں۔ جب کبھی بھی ہمیں پکاریئے گا۔ دوڑتے

ہوئے آئیں گے۔" سعد بن زید کی اولاد نے کہا۔ اے ہمارے سردار ہم کو سب
چیزوں سے زیادہ ناگوار آپ کی مخالفت اور نافرمانی ہے۔ اور جو آپ نے فرمایا
کہ صخر بن قیس نے تم کو ذلیل کیا تو واقعہ یہ ہے کہ اس کا ہم کو جنگ سے باز رکھنا
قرینِ مصلحت تھا اور کارزار سے دست کشی ہمارے لئے باعث ننگ نہ تھی
خیر آپ ہمیں اتنی مہلت دیجئے کہ مشورہ کر لیں کہ بعد ہم آپ کی خدمت میں حاضر
ہوں گے۔" یزید بن مسعود نے کہا۔ اے سعد کے سعید بیٹو! تم واقعی شمشیر زن ہو
اس فن کے ماہر خدا کرے تمہارے ہی گھرانے میں پیدا ہوتے رہیں۔" پھر
ابن مسعود نے امام حسین کو یہ خط لکھا" حضور کا نامہ نامی وصول ہوا حضور نے
لکھا ہے کہ میری اطاعت قبول کرو۔ اور میری نصرت کے لئے آؤ ہم اطاعت
و نصرت کو حصولِ سعادت کا ذریعہ جانتے ہیں۔ بے شک خدا نے زمین کو
راہِ نجات کے رہبر سے کبھی خالی نہیں رکھا اور سرکار تو مخلوق پر خلاقِ عالم کی
حجت اور اُس کی امانت ہیں۔ سورہ نور میں جس شجرۂ زیتونیہ احمدیہ کا ذکر ہے
حضور اس کے پھل ہیں۔ رسول اللہ جڑ ہیں تو مولا! آپ اس درخت کی شاخ
ہیں۔ تشریف لائیے۔ حضور کا آنا فال نیک ہو جائے گا۔ اور میں بنی تمیم کو اُن
پیاسے اونٹوں کی طرح جو نکیل کے اشارہ پر گھاٹ کی طرف چلتے ہیں۔ سرکار
کا مطیع و فرمانبردار بنا دوں گا۔ بنی سعد کو تو میں نے حضور کا حلقہ بگوش کر ہی
لیا ہے۔ اُن کے سینوں کی کدورتوں کو بالکل دھو ڈالا ہے۔" جب امام حسینؑ

نے اس خط کو پڑھا تو فرمایا۔ اے یزید! تم بڑے مخلص نکلے۔ خداوندعالم تم کو قیامت کی گھبراہٹ اور بدحواسی ورسوائی سے بچائے۔ اور اُس دن کی سخت پیاس میں آبِ کوثر سے تمہیں سیراب کرے۔" امام حسین علیہ السلام دُعائیں دے رہے تھے۔ اور یزید بن مسعود نصرتِ امام کی تیاری کر رہے تھے۔ مگر افسوس! جب اُنہوں نے بصرہ سے کربلا کا رُخ کیا تو خبر ملی کہ نصرت کا طلب کرنے والا مولا راہِ خدا میں شہید ہو گیا۔ یزید بن مسعود کی آس ٹوٹ گئی اور اپنی بدنصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

منذر بن جارود کا واقعہ یہ ہے کہ امام حسین کا خط پڑھتے ہی اُن کو خوف پیدا ہوا کہ یہ خط ہماری تحقیق حال کے لئے ابن زیاد نے ہی امام حسین کے نام سے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ لہٰذا خط کو مع قاصد کے لے کر منذر خود عبیداللہ بن زیاد کے پاس آئے۔ ابن زیاد کے سامنے جب یہ معاملہ پیش کیا گیا تو اُس نے غضبناک ہو کر امام کے قاصد کو تو گرفتار کرا کر سولی پر چڑھا دیا اور خود دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے ممبر پر گیا۔ خطبہ پڑھا اور اہلِ بصرہ کو خوب ڈرایا اور دھمکایا کہ مخالفت نہ کرو۔ اور جھوٹی خبریں مت اُڑا فتنہ برپا مت کرو۔ وہ رات تو ابنِ زیاد نے جوں توں کر کے گذار دی صبح ہوتے ہی اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا نائب مقرر کر کے خود کوفہ روانہ ہو گیا۔ قریب شام کے جب کوفہ پہنچا تو سواری سے اُتر پڑا۔ شب ہوئی تو شہر کے اندر داخل ہوا

کوفہ والوں کو دھوکا ہوا امام حسینؑ تشریف لے آئے ۔ ہر شخص ایک دوسرے کو حسین کی آمد کا مژدہ سنانے لگا۔ اور سب ابن زیاد کے نزدیک آگئے جب انہوں نے پہچانا کہ یہ تو ابن زیاد ہے تو گھبرائے اور تر بتر ہو گئے ۔ ابن زیاد دارالامارہ میں داخل ہو گیا ۔ علی الصباح مسجد میں آیا ۔ ممبر پر گیا ۔ خطبہ پڑھا ۔ کوفہ والوں کو بادشاہِ وقت کی مخالفت سے ڈرایا اور اطاعت کی ترغیب دلائی ۔ جب یہ خبر حضرت مسلم کو معلوم ہوئی تو آپ مختار کے گھر سے نکل کر ہانی بن عروہ کے مکان میں پناہ گزین ہوئے ۔ یہاں اہالیانِ کوفہ کی آمد و رفت حضرت مسلم کی خدمت میں بکثرت رہی ۔ ابن زیاد نے بھی اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے جب اس کو پتہ لگا کہ مسلم ہانی بن عروہ کے گھر میں موجود ہیں تو اس نے محمد بن اشعث اسماء بن خارجہ ۔ عمر بن الحاج کو بلایا ۔ اور ان سے دریافت کیا کہ ہانی بن عروہ اس وقت تک مجھے ملنے کیوں نہیں آئے ۔ انہوں نے جواب دیا نہ معلوم کیا سبب ہے ؟ اتنا ہم جانتے ہیں کہ وہ کچھ بیمار ہو گئے تھے ۔ ابن زیاد نے کہا ۔ ان کی بیماری کی اطلاع تو مجھے بھی ملی تھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اب تندرست ہو گئے ہیں ۔ اور روزانہ گھر کے باہر دروازہ پر ان کی نشست رہتی ہے ۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ اس وقت تک بیمار ہی ہیں تو میں خود ان کی عیادت کو جاتا ۔ اب تم ان سے ملنا اور کہنا کہ ہمارے واجب حق کو ترک نہ کریں ۔ یہ میں نہیں چاہتا کہ اُن جیسے شریف قوم کی آبرو ریزی کا باعث بنوں

تم لوگ بعد مغرب بین دولتسرائے ہانی پر جانا اُن سے ملنا اور دریافت کرنا کہ تم امیر کی زیارت کو کیوں نہیں گئے اور یہ کہنا امیر نے تو تم کو کئی مرتبہ یاد بھی کیا اور تمہاری بابت تذکرہ بھی کیا کہ ان کو بیمار سنتا تو عیادت کے لئے خود جاتا ابن زیاد کے حکم کے مطابق یہ لوگ اُسی وقتِ معینہ پر حضرت ہانی کی خدمت میں پہنچ گئے اور تاخیرِ ملاقات کا سبب دریافت کیا اور کہا کیا بیماری کے سبب سے آپ دربار سے غیر حاضر رہے۔ ہانی نے جواب دیا۔ واقعی مجھے علالت نے ابھی تک کہیں جانے نہ دیا۔ اُنہوں نے کہا آپ کی غیر حاضری سے امیر کو بہت اندیشہ ہے۔ اس کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ شب کو اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھ کر جلسہ داری کیا کرتے ہیں۔ آپ سردارِ قوم ہیں۔ آپ کی غیر حاضری امیر پر بہت گراں ہے۔ ہم آپ کو قسم دیتے ہیں کہ سوار ہو کر ابھی ہمارے ساتھ چلئے۔ جناب ہانی نے کپڑے منگائے پہنے۔ پھر سواری کو طلب کیا۔ جب قریب قصر پہنچے تو اُن کے دل میں دغدغہ پیدا ہوا۔ حسان بن اسماء بن خارجہ سے کہا۔ اے جان برادر! امیر اول ابن زیاد کی طرف سے مطمئن نہیں ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ چلوں یا نہ چلوں۔ حسان نے کہا۔ چچا جان! میرے نزدیک تو آپ کے لئے کوئی خدشہ نہیں وہم نہ کیجئے اور فال بد نہ لیجئے حسان کو خبر نہ تھی کہ ابن زیاد نے اس کو کس فریب کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ آخر ہانی مع اپنے ساتھیوں کے ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوئے۔ جب ابن زیاد

نے ہانی کو آتے ہوئے دیکھا تو دل میں کہا لو شکار اپنے پیروں آگیا۔ پھر شریح قاضی کی طرف ملتفت ہوا جو پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور ہانی کی طرف اشارہ کر کے عمر بن معدیکرب زبیدی کے اس شعر کو پڑھنے لگا۔ "میں اس کی زندگی کا طالب ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔ تیرا ہی دوست تجھ سے دغا کرنے کو ہے۔"

ہانی:۔ اے امیر! اس شعر سے تیرا کیا مطلب ہے؟

ابن زیاد۔ ہانی بس رہنے دو ابتدا تو یہی وہ کیا سازشیں ہیں جو تمہارے گھر میں امیر المومنین اور عامۂ مسلمین کے خلاف کی جاتی ہیں۔ تم نے مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں رکھ چھوڑا ہے اور ان کے ہتھیار فراہم کر رہے ہو۔ اور تمہارے گرد اگرد آدمیوں کی پنچایت لگی رہتی ہے۔ تمہارا یہ خیال ہوگا کہ میں اس سے بے خبر ہوں۔

ہانی:۔" ان باتوں کی اصلیت تو کچھ بھی نہیں ہے میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔"

ابن زیاد۔" تم نے کیا اور ضرور ایسا ہی کیا ابن زیاد (دربار کے حاضر باشوں سے)" ارے میرے غلام معقل کو تو بلاؤ۔ یہ غلام ابن زیاد کا جاسوس تھا کوفہ کے حالات معلوم کرنے اور بالخصوص حضرت مسلم کے پتہ لگانے کی خدمت اسی کے سپرد کی گئی تھی۔ اس کو بہت سے خفیہ حالات معلوم تھے۔ معقل آن کر ابن زیاد کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ہانی اب سمجھے کہ معقل ابن زیاد کا

جاسوس ہے۔ (اب تک وہ اس کو شیعہ تصور کرتے تھے) کہنے لگے۔ اے امیر! خدا تجھے حق کی ہدایت کرے۔ میں نے مسلم کو نہیں بلایا تھا وہ تو خود پناہ ڈھونڈتے ہوئے میرے پاس آگئے تو میں نے اُن کو پناہ دے دی۔ ان کے لوٹا دینے سے حیا مانع ہوئی اور جب میرے مہمان ہو گئے تو اُن کی مہمانی میرے اُوپر لازم ہو گئی۔ اَب آپ مجھے واپس جانے کی اجازت دیں تو میں اُن کو اپنے مکان سے کسی نہ کسی طرح رخصت کر دوں گا۔ پھر میں بری الذمہ ہو جاؤں گا۔"

ابن زیاد۔ پہلے مسلم کو یہاں حاضر کر دو اس کے بعد گھر جانے کا خیال کرنا۔"

ہانی۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں اپنے مہمان کو قتل کے لئے تمہارے حوالہ کر دوں۔"

ابن زیاد۔ مسلم کو تمہیں ہمارے حوالہ کرنا پڑے گا۔"

ہانی۔ جیتے جی تو میں اپنے مہمان کو قاتل کے سپرد ہرگز نہ کروں گا۔"

جب ابن زیاد اور ہانی کے درمیان تکرار بڑھ گئی تو ابن زیاد کا ندیم مسلم بن عمرو الباہلی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ اے امیر! اگر مرضی ہو تو میں بھی ہانی سے کچھ کہہ سُنوں۔"

ابن زیاد۔ تمہیں اختیار ہے۔

مسلم بن عمرو الباہلی حاکم کی اجازت پا کر ہانی بن عروہ کو خلوت میں لایا

جہاں سے ابن زیاد ان کے کلام کو سن سکتا تھا۔

مسلم۔ ہانی سے خطاب کر کے،" سنو ہانی! معاملہ بہت نازک ہے۔ تمہیں خدا کی قسم اپنی جان کو ہلاکت میں خود اپنے کو تباہی میں نہ ڈالو۔ میری مانو قتل سے بچ جاؤ گے۔ مسلم کی فکر نہ کرو۔ وہ اور یزید تو ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ اُن کے قتل پر کسی کو جرأت نہ ہو گی۔ خیریت اسی میں ہے کہ ان کو حوالہ کر دو۔ تمہارا اس میں کیا بگڑتا ہے؟ بس اتنا ہی ہو گا کہ ابن زیاد مسلم کو تم سے لے کر یزید کے پاس بھیج دے گا"

ہانی۔ تو کیا جانے؟ مہمان کو دشمن کے حوالہ کر دینے میں میری سخت ذلت ہے۔ مجھ سے تو نہیں ہو سکتا کہ باوجود ہر قسم کی مدد اور قوت کے میں فرزندِ رسول کے قاصد کو جس نے میرے پاس آ کر پناہ لی ہے۔ موت کے منہ میں دیدوں خدا کی قسم اگر روئے زمین پر کوئی بھی میرا مددگار باقی نہ رہے۔ تب بھی میں مسلم کی حمایت سے باز نہ آؤں گا بلکہ اپنی جان تک مسلم کی حفاظت میں کھپا دوں گا یہ کہہ کر تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈال دیا۔ ابن زیاد نے یہ دیکھ کر حکم دیا" ہانی کو میرے پاس پکڑ لاؤ" حکم کی تعمیل ہو گئی تو ابن زیاد نے کہا دیکھو ہانی! اگر جان کی امان چاہتے ہو تو پھر کہتا ہوں مسلم کو بلا دو"

ہانی۔ دلیری سے، میری جان لینا آسان نہیں اگر ایسا ارادہ بھی کیا تو یاد رکھنا یہ تمہارا قصر برہنہ شمشیروں سے محصور نظر آئے گا۔

لہ ہانی کو اپنے اعوان و انصار کی کثرت اور اپنے قبیلہ کی مدد پر پورا بھروسہ تھا۔

ابن زیاد۔ ہانی کہاں خیال ہے ننگی تلواروں کی دھمکی مجھے دیتے ہوئے یہ کہہ کر ابن زیاد
ہانی کے قتل پر تل گیا۔ حکم دیا اس بڈھے کو اور قریب لاؤ" ہانی کا قریب پہنچنا
تھا کہ ابن زیاد نے اُن کے چہرے پر لکڑیاں مارنا شروع کردیں کبھی پیشانی
پر مارتا تھا۔ کبھی رخساروں پر اور کبھی ناک پر۔ یہاں تک کہ ناک ٹوٹ گئی۔ اِس
کثرت سے خون بہا کہ تمام کپڑے بھر گئے۔ پیشانی اور رخساروں کے گوشت
کا ریشہ ریشہ جدا ہو کر اس مظلوم کی داڑھی میں آن اُلجھا۔ ہانی نے اُس وقت
برابر سے ایک سپاہی کی تلوار چھین لی اور ابن زیاد پر دوڑ کر حملہ کرنا چاہا۔ ابن
زیاد چلایا۔ ارے دوڑو اور اس خونخوار کو پکڑ کر کسی کوٹھڑی میں بند کر دو
اور اس کوٹھڑی میں پہرہ لگا دو" حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ اس کے بعد اسماء بن
خارجہ اور بروایتے حسان بن اسماء کھڑا ہو گیا اور کہا اے امیر! تیرے اس سلوک
سے تو ہم سب کے سب فریبی ثابت ہوئے۔ تو نے تو ہمیں ہانی کو لے
آنے کے لئے حکم دیا تھا۔ جب لے آئے تو تو نے اُس کا چہرہ ایسا زخمی
کر دیا کہ داڑھی بھی خون میں رنگین ہو گئی۔ اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس کے
قتل پر آمادہ ہو گیا۔ ابن زیاد کو یہ سُن کر طیش آگیا۔ اور کہا۔ گھبرا نہیں۔ تیرا
بھی وہی حال بناتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس کو خوب پٹوایا۔ اس کے بعد محل کے
ایک گوشہ میں قید کرا دیا۔ حسان نے اُس وقت ہانی سے مخاطب ہو کر کہا لو
ہماری اجل بھی سر پر آگئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جب ہانی کے خسر عمر

بن الحجاج کو معلوم ہوا کہ ہانی قتل ہو گئے تو انہوں نے کل بنی مذحج کو جمع کر کے دار الامارہ پر چڑھائی کر دی اور اُسے ہر چہار جانب سے گھیر کر اعلان کیا کہ گورنمنٹ کا وفادار عمر بن الحجاج ہوں۔ اور یہ میرے ساتھی بنی مذحج کے شہسوار اور سردار بھی گورنمنٹ کے فرماں بردار ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ باوجود ہماری وفاداری اور فرمانبرداری کے ہمارے سردار ہانی بن عروہ کو قتل کر دیا گیا۔ یہ خبر کہاں تک صحیح ہے؟ ابن زیاد نے اُس وقت مصلحتِ وقت دیکھ کر قاضی شریح سے کہا ان لوگوں کو ہانی کی صورت دکھا دو۔ تاکہ اس کی سلامتی اُن کو معلوم ہو جائے۔ قاضی شریح نے ہانی کو بلوائیوں کے سامنے پیش کرنا خلافِ مصلحت سمجھا۔ فقط زبانی کہہ دیا کہ ہانی سلامت اور بخیریت ہیں۔ یہ سُن کر سب مطمئن ہو گئے اور بلوہ فرو ہو گیا۔ جب حضرت مسلم نے ہانی کا واقعہ سُنا تو بیعت پر باقی رہنے والوں کی ایک جماعت کے ساتھ ابن زیاد کے مقابلہ کو نکلے ابن زیاد تو قلعہ میں بیٹھا مگر اس کے سپاہیوں اور حضرت مسلم کے ساتھیوں میں تلوار چلنے لگی۔ ابن زیاد کے بقیہ سپاہی جو قلعہ کے اندر تھے قصر کے اُوپر چڑھ چڑھ کے حضرت مسلم کے ساتھیوں کو دھمکاتے اور ڈراتے تھے اور کہتے تھے "ارے تمہیں خبر بھی ہے ملک شام سے تمہاری سرکوبی کے لئے فوجیں آرہی ہیں" اسی قسم کی دھمکیاں دیتے رہے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ پھر تو حضرت مسلم کے ساتھی منتشر ہونے لگے ایک

دوسرے سے کہتا تھا ہم بے سوچے سمجھے یکایک فتنہ و فساد پر آمادہ ہو گئے اب کیونکر اپنی جانیں بچائیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ یہ سازش کر کے مسلم کے رفقا نے فرار کیا۔ صرف دس نفر رہ گئے مغرب کا وقت آگیا تھا۔ حضرت مسلم نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں چلے گئے موقع پا کر آپ کے رہے سہے دس ساتھیوں نے بھی اپنے اپنے گھروں کا رُخ کیا۔

غریب الوطن مسلم خدا کے گھر سے باہر نکلے تو اکیلے تھے۔ جب حضرت مسلم نے یہ حال دیکھا تو تنہا کوفہ کی گلیوں میں پھرنے لگے۔ یہاں تک کہ طوعہ نامی ایک ضعیفہ کے دروازہ پر ٹھہر گئے اور اس سے پانی طلب کیا وہ مومنہ پانی لائی تو پناہ کا سوال کیا۔ اُس نے منظور کر لیا اور گھر میں لے گئی لیکن کچھ رات گذرنے پر اُس کے بیٹے کو حضرت مسلم کا حال معلوم ہو گیا۔ اُس نے فوراً ابن زیاد تک خبر پہنچا دی۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو بلایا اور فوج کا ایک دستہ اُسے دیکر کہا "مسلم کو پکڑ لاؤ" جب یہ لوگ اس ضعیفہ کے دروازہ پر پہنچے تو حضرت مسلم کو گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ زرہ پہنی۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور ابن زیاد کی فوج سے لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک جماعت کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ محمدؐ بن اشعث نے پکار کر کہا اے مسلم! تمہارے لئے امان ہے۔ حضرت مسلم نے فرمایا، "غداروں اور بدکاروں کی امان کا کوئی اعتبار نہیں" یہ کہہ کر آپ پھر جنگ میں مشغول ہو گئے اور عمران بن مالک

الخشمی کے اشعار بطور رجز پڑھے۔

ترجمہ۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ چن چن کے سو سپاہی کو قتل کروں گا۔ اگرچہ موت مجھے ناگوار ہی کیوں نہ معلوم ہو۔ میں فریب اور دھوکے کو مکروہ سمجھتا ہوں اور دغا بازی ناپسند کرتا ہوں۔ جب ایک دن ہر شخص کو مرنا ہی ہے تو میں تمہیں تلواریں مار کر کیوں نہ مروں اور موت سے کس دن کے لئے ڈروں۔

دشمنوں نے پکار کر کہا" اے مسلم! واقعی آپ سچ فرماتے ہیں اور مکر و فریب بے شک آپ کو ناپسند ہے" دشمنوں کے اس تملق پر حضرت مسلم نے مطلق توجہ نہ کی اور برابر مشغول کارزار رہے۔ جب زخموں سے چور ہو گئے تو سب نے آپ کو زغہ میں لے لیا۔ ایک شخص نے ایسا نیزہ مارا کہ آپ چکرا کر زمین پر گر پڑے۔ گرنا تھا کہ دشمنوں نے قابو پا کر آپ کو گرفتار کر لیا۔ آپ ابن زیاد کے سامنے لائے گئے تو اُس کو سلام نہ کیا۔ دربان نے کہا" امیر المومنین کو سلام کرو" آپ نے فرمایا" او بدبخت! چپ رہ وہ میرا امیر ہرگز نہیں ہے۔

ابن زیاد۔ "مضائقہ کیا ہے سلام کرو یا نہ کرو تم قتل کئے جاؤ گے"

حضرت مسلم۔ بدکاروں کا نیکوکاروں کو قتل کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس دنیائے فانی میں تجھ سے بدتر قاتل گذرے ہیں اور مجھ سے بہتر مقتول۔ اب غالب آگیا ہے ظلم و شقاوت کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھ اور مجھے تکلیفیں دے کر پوری طرح اپنے دل کا بخار نکال لے۔ مجھے قتل بھی کر۔ مثلہ بھی کر اور میری

نعش کے ساتھ جو چاہے کر گذر تاکہ ظالموں کی فہرست میں تیرا حصہ سب سے بڑھا رہے۔

ابن زیاد۔ "اے سرکش! تو نے خلیفہ وقت یزید بن معاویہ پر خروج کیا اور مسلمانوں کی متفقہ جماعت میں تفرقہ ڈال دیا اور نیا فتنہ کھڑا کر دیا۔

حضرت مسلم (ابن زیاد کی طرف مخاطب ہو کر) تو جھوٹا ہے مسلمانوں کی جماعت میں معاویہ اور اس کے بیٹے یزید نے تفرقہ ڈالا ہے اور فتنہ تو تیرے باپ زیاد بن عبید[2] اور خود تو نے برپا کیا ہے اور میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ مجھے بدترین خلائق کے ہاتھ سے شہادت نصیب ہو۔"

ابن زیاد۔ "مسلم! تم دراصل حکومت کے خواہاں تھے، مگر خدا نے تمہیں اس سے محروم رکھا اور حق حقدار کو پہنچ گیا۔

حضرت مسلم۔ حقدار خلافت کون ہے؟

ابن زیاد۔ "یزید بن معاویہ"

ابن زیاد۔ "(مسلم سے خطاب کر کے) سچ تو یہ ہے کہ تم حکومت کے گمان میں یہاں آئے تھے۔"

---

[1] حضرت مسلم کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ آپکی دلی خواہش یہ تھی کہ جو جو مصیبتیں امام حسینؑ پر گذرنے والی ہیں وہ آج مجھ پر ختم ہو جائیں اور امام حسین ان مصائب سے بچ جاویں۔

[2] عبید قبیلہ بنی علاج کا غلام تھا جو قبیلہ بنی ثقیف کی ایک شاخ ہے۔

حضرت مسلم۔ "مسخرے! بکتا کیا ہے؟ گمان کس چڑیا کا نام ہے۔ خلافت و امارت ہمارا ہی تو حق ہے۔ دوسرے کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں۔"

ابن زیاد۔ "اچھا یہ تو بتاؤ۔ تم کوفہ میں آئے کس غرض سے تھے؟ اصلاح کے لئے تو نہیں آئے۔ اِس لئے کوفہ میں کوئی بد نظمی نہ تھی۔ بد نظمی تو تم نے آ کر پھیلا دی۔"

حضرت مسلم۔ میں تو فساد کے لئے ہرگز نہیں آیا۔ تم ہی بندگانِ خدا کے زبردستی حاکم بن بیٹھے۔ اور امر بالمنکر اور نہی عن المعروف کی بنیاد تم ہی نے ڈالی۔ کوفہ والوں کو تم ہی نے آ کر نفس پرستی اور ہوس رانی کا سبق دیا اور تمہارا یہ سارا عمل خدا و رسول کے خلاف تھا۔ تم نے کسریٰ (شاہ فارس) اور قیصر (شاہِ روم) کے سے ٹھاٹھ جمائے۔ اَے ابن زیاد! اُس ہم اس شہر میں تمہاری جد و جہد کے خلاف رحمانی ہدایت کرنے کے لئے آئے تھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سزاوار صرف ہم ہی ہیں۔" یہ سننا تھا کہ ابن زیاد آپے سے باہر ہو گیا اور حضرت مسلم اور حضرت علی اور حضرات حسنین علیہم السّلام کو گالیاں دینے لگا

حضرتِ مسلم۔ (ابن زیاد سے) اے خدا اور رسول کے دشمن! زبان درازی مت کر۔ یاد رکھ اِن گالیوں کا مستحق تو اور تیرا باپ ہی ہے اب جو کچھ کرنا ہے جلد ہی کر گذرو

ابن زیاد۔ (بکر بن حمران کو حکم دے کر) مسلم کو قصر کی چھت پر لے جا کر قتل

کر دو۔ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور جلاد حضرت مسلم کا خون بہانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس وقت قاتل کی تلوار کے نیچے وہ حق کا شیدائی اور حسینؑ کا فدائی معبود کی تسبیح و تقدیس میں مشغول تھا۔ اور زندگی کے آخری لمحوں میں رسول و آلِ رسول کے لئے رحمت کی دعا حضرت مسلم کی زبان پر جاری تھی۔ ایسی حالت میں جلاد نے بے رحمی سے بیکس کا سر تن سے جدا کر دیا مگر قصر سے کانپتا ہوا اترا۔

ابن زیاد۔ (بجیر بن حمران سے) "یہ تیری حالت کیا ہے؟"

بجیر بن حمران۔ "اے امیر! مسلم کو قتل کرتے وقت ایک عجیب مہیب شکل کا انسان مجھے نظر آیا جو اپنی انگلیاں کاٹ رہا تھا اور ہونٹ چبا رہا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی میرا دل دہل گیا اور تمام بدن میں لرزہ پڑ گیا۔ جہاں پناہ! میں آج تک کبھی ایسا نہیں ڈرا۔"

ابن زیاد۔ "کیوں بکتا ہے؟ مہیب شکل کا انسان کیسا؟ ضرور تو دہشت کھا گیا۔"

مسلم کے قتل کے بعد ابن زیاد ہانی کے قتل پر آمادہ ہوا۔ حکم دیا ہانی کو باہر نکالا جائے۔ اس وقت کی تصویر حضرت ہانی کی آنکھوں میں پھر گئی بے چینی اور اضطراب کی حالت میں اپنے رفیقوں کو یاد کر کے فریاد کرنے لگے۔ کبھی پکار کر کہتے تھے۔ اے مذحج کے سردارو! کہاں ہو؟ مجھے آکر بچاؤ۔ پھر خود ہی مایوس ہو کر جواب دیتے تھے ان کو میری کیا خبر ہے کہ مجھ پر کیا گذرتی ہے؟ کبھی یوں استغاثہ کرتے تھے۔ اے میرے کنبہ اور قبیلہ کے جوانو! میری مدد کو پہنچو!

اور جواب نہ ملنے پہ کہتے تھے۔ اسے میرے عزیزو! کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ میں قتل کے لئے قید سے نکالا گیا ہوں! یکایک جلاد کی آواز بلند ہوئی۔ ہانی! گردن آگے جھکاؤ۔"

ہانی۔ (جلاد کی طرف دیکھ کر) کیوں؟ بلاوجہ کیوں گردن آگے جھکاؤں۔ اور شریک قتل بنوں؟"

ہانی ابھی صرف اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ابن زیاد کے غلام رشید نے بڑھ کر تلوار کا وار کر دیا۔ ہانی شہید ہو گئے۔ بعد شہادت ہمعصر شاعر عبید اللہ بن زبیر اسدی نے ہانی اور مسلم کا انہیں ایام میں ایک مرثیہ لکھا جس کو بعض راویوں نے فرزدق کی طرف منسوب کیا ہے۔

"اگر موت کی سختی اور مصیبت دیکھنا چاہتے ہو تو کوفہ کے بازار میں جاکر ہانی اور مسلم کی نعشوں کو دیکھ لو۔

ایک نعش سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لکڑیاں مار مار کر اُس کے چہرے کو توڑ دیا ہے۔ اور دوسری نعش تو کوفہ کے رکن اعظم حضرت ہانی کی ہے اور پہلی مدینہ کے سردار شیر بیشۂ رسالت حضرت مسلم بن عقیل کی ہے۔ اِن نعشوں کے دیکھنے سے کوفہ کی پبلک میں قیامت کی ہلچل پڑ گئی ہے۔ قاتل کی عداوت دل میں اثر کر رہی ہے اور زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے کہ قاتل زنازادہ ہے۔ ہائے یہ دونوں شہید کیسے صاحبِ حُسن و جمال تھے ان کے نازک بدنوں

پر کیا ستم ڈھایا کہ بالکل متغیر ہو گئے اور زخم سے خون کا دریا جاری ہے حضرت ہانی کی حیا و مروت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اور ان کی شجاعت اور بہادری کے لئے اتنا کافی ہے کہ وقتِ جنگ اُن کے دونو ہاتھ دو دھاری تلوار کی طرح کام کرتے ہیں۔ مذحج کے قبیلہ میں ہانی کے انتقام کا جوش عام ہے اسمآ[ا] بن خارجہ اب بے کھٹکے گھوڑے پر چڑھ کے نکلے تو جانیں۔ قبیلۂ مراد کا تو یہ حال ہے کہ پروانہ کی طرح ہانی کی نعش کے گرد پھر رہے ہیں اور شر کا قتل کی تفتیش میں سرگرداں ہیں۔ اے ہانی کے قبیلے والو! اگر تم نے اپنے سردار کا بدلہ نہ لیا اور خون بہا لے کر راضی ہو گئے تو تم اور تمہاری حمیت پر تف ہے "

جب عبید اللہ بن زیاد کو مسلم کی طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا تو کل واقعہ کی رپورٹ دربارِ خلافت میں لکھ بھیجی۔ یزید نے جواب میں مسرت کا اظہار کیا اور ابن زیاد کے حسنِ انتقام کی تعریف کی۔ اور یہ بھی لکھا کہ حسینؑ کوفہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ذرا کوفیوں کو پہلے سے قابو میں رکھنا۔ تشدد اور جبر سے اس معاملہ میں کام لینے کی تم کو پوری اجازت ہے۔

انہی ایام میں امام حسین جو ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کے روز اور بروایتے ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ بدھ کے روز مکہ سے روانہ ہو چکے تھے۔ اور کوفہ کی طرف معہ

[ا] اسماء بن خارجہ اُن تین شخصوں میں کا ایک ہے جو حضرت ہانی کے گھر پر جا کر انہیں دھوکے سے ابن زیاد کے دربار میں لائے تھے اور ابن زیاد کے فرستادہ تھے۔

اہل وعیال [illegible] شریف لا رہے تھے۔ آپ کو نہ مسلم کی شہادت کی خبر تھی۔ اور نہ ابن زیاد [illegible] باہمی خط و کتابت کی۔[1] جب منزل ذات العرق پر پہنچے تو بشر اسدی سے جو عراق سے آ رہے تھے ملاقات ہوئی۔ آپ نے دریافت فرمایا اے بشر

[1] صاحب مقتل کا یہ خیال ہے کہ جس دن امام حسین مکہ سے روانہ ہوئے ہیں اسی روز حضرت مسلم کوفہ میں شہید ہوئے ہیں۔

جب امام حسینؑ نے قصدِ عراق فرمایا تو مکہ میں خطبہ پڑھا۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں وہ ہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اسی کا ہو کر کوئی توانائی حاصل کر سکتا ہے۔ خداوند عالم اپنے رسول پر رحمت نازل فرمائے (جو پیدا ہوتا ہے ایک دن ضرور مریگا) اولاد آدم کا گلا موت کے ہار سے خالی نہیں ہے جس طرح نوخیز لڑکی کا گلا ہار سے خالی نہیں ہوتا اور مجھے تو میرے اسلاف کے شوقِ زیارت نے ایسا بے چین کر دیا ہے جیسا حضرت یعقوب کو فراق یوسف نے۔ میں تو تمام مقامات پر اپنی قتل گاہ کو ترجیح دیتا ہوں وہ منظر میرے پیش نظر ہے کہ بنی امیہ میرے جوڑ جوڑ علیحدہ کر رہے ہیں اور میرا خون پی پی کر اپنا پرانا کینہ نکال رہے ہیں۔ جو ہم سے، سمجھا جا چکا اس سے کسی کو مفر نہیں ہے اور ہم اہل بیت تو راضی بقضائے خدا ہیں ان کی آزمائش پر پوری طرح صبر کریں گے اور پھر پورا پورا اجر خدا تعالےٰ کی جانب سے پائیں گے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ میں رسول خدا کے قدم بقدم نہ چلوں اور طریق حق سے منحرف ہو جاؤں آخر رسول ہی کا گوشت و پوست میں بھی ہوں اور رسول اللہ ہی کا تقدس منتقل ہو کر مجھ تک

عراق کی کیا حالت ہے ؟ بشر نے کہا حقیر کے نزدیک اہل عراق آپ کی طرف مائل تو ہیں مگر سلطنت کے جبر اور دولت کی وجہ سے وہ آپ کی نصرت نہ کر

بقیہ حاشیہ ص۴۹۔ آیا ہے۔ ہم اہل بیت سے وہ آخر انجام پائیں گے۔ جس سے رسول اللہ کی آنکھوں کو خنکی پہنچے گی اور رسالت کے متعلق جو وعدے آں حضرتؐ نے خدا سے کئے ہیں وہ ہمارے ہی ذریعہ پورے ہوں گے ہم اس وقت کار رسالت پر مامور ہیں۔ جو شخص اپنی جان ہمارے اس معاملہ پر خرچ کرے اور لقاء الٰہی کا آرزومند ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ میں کل صبح انشاء اللہ روانہ ہو جاؤں گا۔

دوسرے روز علی الصباح حضرت مکہ معظمہ سے روانہ ہو گئے اور منزل تنعیم پر پہنچ کر ایک قافلہ کو دیکھا جو بجیر بن ریان حاکم یمن کی طرف سے یزید بن معاویہ کے پاس تحفے اور ہدیے لے جا رہا تھا چونکہ اصلی حاکم اسلام اور حقیقی وارث شریعت خیر الانام آپ ہی تھے۔ مصرف خیر کا علم آپ ہی سے مخصوص تھا۔ مسلمانوں کے مال کا ضائع ہونا آپ گوارا نہ فرما سکے بیت المال میں شامل کرنے کی غرض سے حکم دیا کہ تحفہ و ہدایا ظالم تک نہ پہنچیں کیونکہ مسلمانوں کے منصوص من اللہ امام درحقیقت آپ ہی تھے نہ کہ یزید اونٹوں والوں سے جو اپنے اونٹ کرایہ پر لائے تھے فرمایا "تم میں سے جس کا جی چاہے وہ ہمارے ساتھ عراق تک چلے ہم پورا پورا کرایہ دے دینے کے علاوہ اور بھی بھلائی اس کے ساتھ کریں گے اور اگر درمیان راہ سے جدا ہونا چاہے گا تو بقدر مسافت اس کو کرایہ دے کر واپس کر دیں گے۔ آپ کے اس ارشاد پر ان اونٹوں والوں

سکیں گے۔

حضرت نے فرمایا اے بشر! تمہارا قیافہ درست ہے۔" ع

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

منزلِ ذات العرق سے روانہ ہو کر امام حسینؑ سہ پہر کے وقت منزل ثعلبیہ میں پہنچے۔ یہاں حضرت پر دفعۃً غنودگی طاری ہو گئی۔ بعد تھوڑی دیر کے آنکھ کھلی تو ارشاد فرمایا۔

"میں نے غنودگی کے عالم میں ہاتف کو یہ کہتے ہوئے سُنا" اے راہ خدا کے مسافر! تمہاری تیز رفتاری کا اصلی راز جنت کی کشش ہے۔ یہ سُننا تھا کہ علی اکبر بڑھ کر آداب بجالائے اور دست بستہ عرض کی" بابا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں امام حسینؑ۔ بیٹا کیوں نہیں۔ اُس خدا کی قسم جو سب کا مرجع ہے۔ ہم یقیناً حق پر ہیں۔

علی اکبرؑ۔ " تو پھر ہمیں موت سے ڈر کیسا؟ "

امام حسینؑ۔ " بیٹا یہ تمہاری سعادت ہے۔ خداوند عالم تم کو ہر سعادت مند بیٹے سے بڑھ کر باپ کی اطاعت کا صلہ دے۔"

اس منزل پر امام حسینؑ نے رات کو بھی قیام فرمایا۔ صبح ہوئی تو کوفہ کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰ ۔ میں سے بعض بعض تو آپ کے ساتھ ہوئے اور بعض نے صاف انکار کر دیا۔"

جانب سے ایک شخص نمودار ہوا۔ جس کا نام ابو ہرہ ازدی تھا۔ خدمت میں حاضر ہو کر حضرت پر سلام کیا اور دریافت کرنے لگا۔ حضور نے حرم خداؑ اور حرم رسول سے کیونکر مفارقت گوارا فرمائی؟ آپ نے جواب میں فرمایا اے ابو ہرہ! بنی اُمیہ نے میرا مال لے لیا میں نے صبر کیا۔ مجھے ذلیل کیا میں نے صبر کیا۔ اب قتل کے درپے ہوئے تو میں ناچار حرمین شریفین سے نکل کھڑا ہوا۔ خدا کی قسم دشمن مجھے قتل کئے بغیر نہ رہیں گے۔ مگر یاد رکھو۔ میرا خونِ ناحق رنگ لائے گا۔ مسلمان ذلیل و خوار ہوں گے۔ غلامی کا طوق ان کی گردن میں پڑ جائے گا اور حریت کے لئے تڑپا کریں گے۔

قبیلہ بنی فزارہ اور بخیلہ کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ بعد الفراغ حج جب ہم مکہ سے اپنے سردار زہیر بن قین کے ساتھ چلے تو راستہ میں امام حسینؑ کے قریب جا پہنچے۔ لیکن جب ہم منزل پر پہنچتے تھے تو مصلحۃً اپنے خیمے امام حسینؑ سے جداگانہ نصب کرتے تھے۔ ایک دن ایک منزل (خزیمیہ) پر پہنچ کر ہم اُسی جگہ اپنے خیمے کھڑے کرنے پر مجبور ہو گئے جس جگہ امام عالی مقام نے اپنے خیام کو نصب کر دیا تھا۔ اس منزل پر پہنچ کر ہم لوگ ناشتہ کے لئے بیٹھ چکے تھے کہ قاصد نے آکر ہمارے سردار زہیر بن قین کو امام حسینؑ کی طرف سے طلبی کا حکم سنایا۔ حکم کا سننا مصیبت کا سامنا تھا۔ ایک طرف فرزندِ

لہ حرم خدا مکہ حرم رسول مدینہ

رسول کی اطاعت نہ کرنے پر خدا کا عذاب۔ دُوسری طرف امام حسین کی معیت اختیار کرنے پر گورنمنٹ کا عتاب۔ اَب تو ہم ایسے حواس باختہ ہوئے کہ تن بدن کا کچھ ہوش نہ رہا۔ لیکن ویلم بنت عمرو جناب زہیر کی زوجہ محترمہ نے کہا سبحان اللہ۔ اے زہیر! فرزندِ رسول اپنا خاص آدمی بھیج کر تم کو بلائیں۔ اور تم شرفِ حضوری حاصل نہ کرو۔ نہیں ضرور جاؤ اَور جا کر سُنو کہ وہ فرماتے کیا ہیں؟

زہیر خدمت امام عالی مقام میں حاضر ہُوئے اَور تھوڑی دیر بعد شاداں و فرحاں واپس آئے۔ حکم دیا جس جگہ امام قیام فرما ہیں اُسی جگہ ہمارے خیام اور اسباب بھی منتقل کر دیئے جائیں اَور بی بی سے کہا میں نے تو اَب فرزندِ رسولؐ کی نصرت کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ اپنا سینہ امام عالی مقام کی حفاظت میں سپر کر دوں گا اور اپنی جان مولا پر نثار کر کے رہوں گا۔ بیگم! اَب میں تمہیں رخصت کرتا ہوں کیونکہ میرے قتل ہو جانے کے بعد اسیر ہو جاؤ گی اور دیار بدیار پھرائی جاؤ گی میں تمہاری اس مصیبت کو کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا۔" اتنا کہہ کر زہیر بن قین نے زوجہ کو کچھ مال دیا۔ پھر اپنے چچا زاد بھائیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ بھائیو! اپنی بھاوج کو ان کے میکے پہنچا دو۔" یہ سُن کر وہ پاکدامن بی بی کھڑی ہو گئی۔ آنسو بہا بہا کر اپنے شوہر کو رخصت کیا اور کہنے لگیں خداوندِ عالم تمہارے اِس نیک اِرادے میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ مگر تم سے اتنی التجا ہے کہ روزِ حشر میری نصرتِ امام کی اس تحریک کو امام تک پہنچا دینا۔

زہیر بن قین نے پھر اپنے اصحاب سے کہا یہ ہماری تم سے آخری ملاقات ہے۔ اگر تم میں سے کسی پر میری مفارقت وجدائی شاق ہو تو وہ میرے ہمراہ چلے؛ اتنا کہا اور زہیر روانہ ہو کر خدمتِ امام حسینؑ میں حاضر ہو گئے۔ زہیر کے شامل ہوتے ہی حسینی قافلہ کا پھر کوچ ہوا۔ جب منزل زبالہ پر پہنچے تو مسلم کی خبرِ وحشت اثر نے لشکرِ حسینؑ میں ہلچل ڈال دی۔ ساتھیوں کو بربادی کا یقین ہو گیا۔ طمع کے بندے امام کا ساتھ چھوڑ کر چلنے لگے۔ باقی رہنے والوں میں صرف آپ کے اقربا اور چند اصحاب تھے۔ منزلِ زبالہ سے جب امام حسینؑ آگے بڑھے تو راہ میں فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے سلام کیا اور کہا یابن رسول اللہ! کوفیوں کی بے وفائی سے تو حضور خوب واقف ہیں مسلم اور ہانی کو انہیں کوفیوں نے تو قتل کیا ہے۔ پھر آپ کو اُن کے وعدے پر کیونکر اطمینان ہو گیا۔ مسلم کا نام سُننا تھا کہ امام حسینؑ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے اور فرمایا مُسلم تو درجۂ شہادت پر فائز ہو کر سعادتِ ابدی حاصل کر چکے اب تو ہمیں شہادت کی کٹھن منزل طے کرنی ہے۔ اُس وقت کربلا کی ہلاکت کا نقشہ آپ کی نظروں میں پھر گیا۔ اور دنیا کی بے ثباتی پر چند ابیات ارشاد فرمائے۔

"اگر دنیا نفیس وعُمدہ شمار کی جاتی ہے تو کی جائے ہم تو اللہ کے ثواب کو اس دنیا سے کہیں بہتر اور بڑھ کر شمار کرتے ہیں۔

جب انسان کو ایک نہ ایک دن موت آنی ہی ہے تو پھر خدا کی راہ میں تلوار سے مرجانا ہر قسم کی موت سے بہتر ہے۔

جب روزی خدا کی طرف سے تقسیم ہو چکی ہے اور مقدر سے زیادہ کسی کو نہ ملے گی پھر رزق کے لئے حرص کو ترک کردینا ہی مناسب ہے۔

جب دنیا کا مال و متاع آخر چھوڑنا ہی پڑے گا تو پھر انسان کا ایسے مال و متاع کے ساتھ کنجوسی کرنا تعجب ہے؟

اسی منزل سے حضرت نے ایک خط سلیمان بن صرد الخزاعی مسیب بن نجبتہ رفاعہ بن شداد نیز دیگر شیعیانِ کوفہ کے نام لکھ کر قیس بن مسہر الصیداوی کے ہاتھ روانہ کیا۔ جب قیس قریب کوفہ پہنچے تو عبیداللہ بن زیاد کے تابع امیر حصین بن نمیر سکونی نے اُن کو روکا اور تلاشی لینی شروع کردی۔ قیس نے خط کو نکال کر پھاڑ ڈالا اور پُرزے پُرزے کردیا مگر دکھایا نہیں۔ حصین نے قیس کو گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ حاکم نے دریافت کیا تم کون ہو؟ قیس نے جواب دیا میں موالیانِ حیدرِ کرار اور غلامانِ حسینؑ میں سے ہوں۔

ابن زیاد۔ (تیوری چڑھا کر) تم نے خط کیوں پھاڑ ڈالا؟

قیس۔ اِس لئے کہ تم کو اس کے مضمون پر اطلاع نہ ہو سکے۔

ابن زیاد۔ "وہ تھا کس کی طرف اور کس کے نام؟"

قیس۔ امام حسینؑ کی جانب سے اہل کوفہ کی ایک جماعت کے نام تھا

جن کے نام مجھے نہیں معلوم !"

ابن زیاد۔ (برہم ہوکر) "خدا کی قسم جب تک تو مجھ کو اُن لوگوں کے نام نہ بتادے گا۔ اور سر ممبر علی اور اولادِ علی پر لعنت نہ کرے گا اُس وقت تک میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گا بلکہ جیتے جی تیرے بدن کے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ لے تو اِن دونوں باتوں میں سے ایک ہی کر دے۔

قیس۔" اُن لوگوں کے نام تو میں کبھی نہ بتاؤں گا۔ ہاں علی اور اولاد علی پر لعنت کر سکتا ہوں۔

ابن زیاد۔"اچھا یہ ہی کر"

قیس منبر پر گئے، حمد خدا اور نعتِ رسولؐ کے بعد جی بھر کے علی اور اولادِ علی کی تعریف کی اور درگاہ قاضی الحاجات میں ہاتھ اٹھاکر بار بار اُن کے لئے نزولِ رحمت کی دُعا کی۔ اِس کے بعد حاکمِ کوفہ عبیداللہ اور اُس کے باپ زیاد اور کل بنی اُمیہ پر دل کھول کے لعنت کی اور کہا۔ حاضرین! امام حسینؑ نے فلاں منزل سے میرے ذریعہ تمہاری طرف پیغام بھیجا ہے کہ تم میری نصرت کے لئے جلد پہنچو۔ چاہیئے کہ آپ سب فرزند رسول کی آواز پر لبیک کہیں اور اُن کی خدمت میں جلد سے جلد پہنچیں۔ یہ سُن کر ابنِ زیاد آپے میں نہ رہا۔ طیش میں آکر حکم دیا۔ قیس کو قلعہ کی چوٹی پر لے جاکر سر کے بل نیچے پھینک دو۔ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور قیس نے اس طرح راہِ حق میں اپنی جان دے دی قیس

کے واقعہ نے امام حسینؑ کے دل کو پاش پاش کر دیا۔ رو رو کر آپ نے خدا سے اپنے وفادار دوستوں اور جان نثاروں کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔ اور عرض کیا بارالٰہا! تجھے تیری رحمت کی قسم۔ ہمارے محبّوں کو بھی ہماری طرح بہشت میں جگہ دینا۔[1]

اِس منزل سے آگے چل کر ایک ایسے موضع پر جہاں سے کوفہ دو منزل رہ جاتا ہے۔ امام حسین کی ابن زیاد کے سپہ سالار حُرؓ بن یزید ریاحی سے ملاقات ہُوئی۔ حرؓ ایک ہزار سواروں کا دستہ لے کر آیا تھا۔ امام عالی مقام نے دریافت فرمایا" اے حُر! میری موافقت میں آیا ہے یا مخالفت پر؟

حُرؓ۔ مخالفت پر۔"

امام حسین۔ لاحول ولا قوۃ (بیکسی میں خدا ہی مدد کرنے والا ہے)

امام حسین۔ (سوال وجواب کے بعد) اگر تم اپنی تحریروں اور معاہدوں سے پلٹ گئے ہو تو میری راہ نہ روکو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

حُرؓ۔ آپ مدینے تو واپس جا ہی نہیں سکتے۔ اور کوفہ چلنے پر میں مجبور نہ کرونگا ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ اختیار کر لیجئے۔ میں اپنا پہلو بچانے کے لئے حاکم کو لکھے دیتا ہُوں کہ امام حسینؑ نے مجھ سے مخالفت کی اور کوفہ کی سمت

---

[1] صاحب مقتل لہوف اسی واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق یہ خط قیس بن مسہر کے ہاتھ منزل حاجز سے روانہ کیا گیا تھا۔

کو مڑ گئے۔"

بے کس امام نے حُر کی اِس تجویز پر چاروناچار عمل کیا اور حُر کے ساتھ ساتھ بائیں جانب کو چلنا شروع کیا۔ منزل ہجانات پر پہنچ کر حُر کو حاکم کوفہ کا فرمان ملا۔ یہ فرمان حُر کے لئے زجر و توبیخ سے مملو تھا۔ آخر میں لکھا تھا۔ اے حُر! تو نے حسین کو کسی طرف چلے جانے کا موقع ہی کیوں دیا؟ ایک دم حسین پر سختی اور تنگی کرنی شروع کر دے حاکم کے اس حکم کی تعمیل کے لئے حسرؔ فوراً تیار ہو گیا۔ اور چاہا کہ امام علیہ السّلام کی راہ مسدود کر کے اپنی حراست میں کوفہ لے جائے۔ حضرت نے فرمایا۔ حُرؔ! کیا اس قدر جلد تم اپنی بات بھول گئے تمہارے ہی کہنے سے تو میں نے یہ راہ اختیار کی ہے۔

حُرؔ بولے میں نے کہا تو ضرور تھا لیکن اب ابن زیاد کا حکم ملا ہے کہ حسینؑ پر تنگی کرو۔ اور ایک جاسوس سرکار کوفہ کی طرف سے محض اس حکم کی تعمیل کرانے کے لئے مجھ پر معین ہوا ہے۔" اُس وقت حضرت مجبور ہو گئے اور دین و دنیا کی حقیقت سمجھانے کے لئے ایک خطبہ پڑھا۔ اور بعد حمد و ثناء الٰہی کے فرمایا۔ "اے بندگانِ خدا معاملہ نے جو صورت اختیار کر لی ہے وہ تم پر خوب روشن ہے۔ زمانہ بدل گیا۔ دین مضمحل ہو گیا۔ دنیا میں کوئی خوبی باقی نہ رہی۔ خاصانِ خدا تو کبھی دنیا کی طرف ملتفت نہیں ہوئے اب تو ہر شخص کے لئے دنیا ایک بلا ہو جائے گی۔ یہ وقت بندوں کی آزمائش

کا ہے۔ حق کی نصرت میں جان تک سے دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ ایسی حالت میں مجھے تو موت کی آرزو ہے۔ ظلم کے دور میں زندگی موت سے بدتر ہے۔"

حضرت کے اس موعظہ کا اصحاب پر اتنا اثر ہوا کہ فوراً زہیر کھڑے ہوکر عرض کرنے لگا۔ حضور نے جو کچھ فرمایا عین حق ہے" (پھر آسمان کی طرف سر اٹھاکر کہا) اے اللہ! تو سرکار کی مدد کیجیو! مولا! اگر دنیا کو بقا اور ہم کو دائمی زندگی نصیب ہو بھی جائے تب بھی ہم حضور کے قدموں سے جدائی گوارا نہ کریں گے۔" زہیر نے اپنا کلام ختم کیا ہی تھا کہ نافع بن ہلال بجلی جوش میں آ گئے اور دست بستہ عرض کرنے لگے۔ خدا کی قسم مولا! حضور کے ساتھ ہمیں بھی موت کی آرزو ہے۔ ہماری نجات اسی میں ہے کہ حضور کے دوستوں کو دوست اور دشمنوں کو دشمن سمجھیں۔" ابن ہلال بجلی ابھی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ بریر بن خضیر ایک دم کھڑے ہو گئے۔ اور انتہائے محبّت و عقیدت کے لہجہ میں یُوں بولے "مولا! یہ ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ ہم کو حضور کی نصرت میں سر کٹانے اور شہادت کی سعادت حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ رسول اللہ کی شفاعت ہم گنہگاروں کو حضور کے طفیل اسی طرح نصیب ہو سکتی ہے۔" شہنشاہِ ولایت اپنے فدائیوں کا مخلصانہ کلام سن کر اس منزل سے بھی آگے بڑھے۔ حُر مع اپنے رسالہ کے حضرت کی نگرانی کے لئے ساتھ تھا کبھی تو پہلے کی طرح آپ کو کوفے لے جانے کی خواہش میں سدِ راہ بن جاتا مگر حسینی

احسان سے شرما کہ جبر نہ کرسکتا تھا۔ چلتے چلتے سب آخر اُس سرزمین پر پہنچے جو فرزند رسُول کی قتل گاہ تھی۔ پہنچتے ہی حضرت نے دریافت فرمایا۔ اس زمین کو کیا کہتے ہیں؟ عرض کیا گیا اس زمین کو کربلا کہتے ہیں۔ فرمایا اے اللہ! کرب و بلا میں تیری پناہ ڈھونڈھتا ہُوں " پھر اصحاب سے فرمایا۔ ناقوں کو روک دو اور سواریوں سے اُتر پڑو۔ یہیں ہمارا خون بہایا جائے گا " یہ سُننا تھا کہ سارا قافلہ ٹھہر گیا۔ حُر نے بھی اپنا خیمہ ایک جانب نصب کرا دیا۔ ایک روز اُسی سرزمین میں بیٹھے ہُوئے امام حسین علیہ السّلام اپنی تلوار کو صیقل کر رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے۔ دنیا اور زمانہ کی دوستی میں کیا رکھا ہے جب کہ رات دن حق کے طلب گار کا ناحق خون بہا دیا جاتا ہے۔

اور میرے ساتھ تو زمانہ کا یہ سلوک ہے کہ میں اپنے حق سے ناحق محروم رکھا جاتا ہُوں۔ دُوسرے میرے ایک گلے کے لئے سینکڑوں خنجر تیار ہیں تیسرے مجھی پر بس نہیں بلکہ حق طلبی کے جرم پر میرے عزیزوں، میرے ساتھیوں، میرے نوجوانوں اور میرے شیر خوار بچوّں کا بھی خون بہایا جائے گا۔ اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ مرنا تو ایک دن سب ہی کو ہے۔

یہ سُنتے ہی جناب زینبؑ کا نورانی چہرہ متغیر ہو گیا۔ گھبرا کر عرض کرنے لگیں "بھائی جان! آپ کے اس کلام نے تو میرا دل توڑ دیا۔ کیا واقعی آپ کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا؟" فرمایا "بہن میری شہادت نزدیک ہے۔ گویا

میں دیکھ رہا ہوں کہ اسی دشتِ بلا میں میرے سُوکھے گلے پر خنجر پھرا جا رہا ہے"۔ بھائی کے قتل کا تصوّر کر کے جناب زینب بے اختیار ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگیں۔ اور آپ کے ساتھ سب اہل حرم بھی چیخ چیخ کر رونے لگے جنابِ اُمّ کلثوم کے اُس وقت یہ بین تھے۔

اے نانا رسول اللہ! اے بابا علی مرتضیٰ۔ اے مادرِ گرامی فاطمہ زہرا اے بھائی حسن مجتبیٰ! حسین قتل ہوتے ہیں، کبھی امام حسین سے مخاطب ہو کر عرض کرتی تھیں، "بھائی جان! بعد آپ کے کون ہماری خبر لے گا۔ ؟ حضرت نے فرمایا بہن! فنا تو ایک دن سب کو ہونا ہے یہ زمین بھی باقی نہ رہے گی۔ آسمان بھی فنا ہو جائے گا (کل شئ ہالک الا وجہہ) عالم کی کل چیزیں مٹ جائیں گی باقی رہنے والی صرف اللہ کی ذات ہے۔ تم سب کو تو یہ چاہیئے کہ میرے بعد صبر و رضا کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ دیکھو! نہ گریبان چاک کرنا نہ اپنے رخساروں پر طمانچے مارنا۔ خلافِ شرع کوئی بات بھی زبان سے نہ نکالنا۔"

اس واقعہ کو دوسری روایت میں یوں نقل کیا گیا ہے کہ جس وقت امام حسین اشعار پڑھ رہے تھے جناب زینب قریب کے خیمہ میں چند بیبیوں کے ساتھ تشریف رکھتی تھیں ان غم انگیز اشعار کو سُنتے ہی گھبرا کر سر برہنہ خیمہ سے باہر نکل پڑیں، دَوڑتی ہوئی امام حسین کی خدمت میں آئیں۔ رو رو

کر عرض کرنے لگیں۔ بھائی آپ کی مایوسی بہن سے دیکھی نہیں جاتی۔ بابا کا سر سے اُٹھ چکا۔ اماں سے بھی مفارقت ہوگئی۔ بھائی صاحب کی جدائی کا صدمہ بھی زینب اٹھا چکی۔ تمہارے سبب سے ہماری زندگی تھی اور بزرگوں کی یادگار قائم تھی۔ افسوس! اب آپ بھی اپنے مرنے کی خبر سُنا رہے ہیں۔ امام حسینؑ نے اُس وقت اپنی غمزدہ بہن کو نگاہِ یاس سے دیکھا اور فرمایا بہن! یہ امتحان کا وقت ہے ایسے نازک وقت میں انبیاء تک سے ترک اولیٰ ہوگیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے پائے ثبات کو لغزش نہ ہو جائے۔" بھائی نے بہن کو دلاسا تو دیا مگر دل کی عجب حالت ہوگئی۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا حسینؑ تو ہر صورت سے مجبور کر دیا گیا ہے اور اسی بے کسی اور بے کسی کے عالم میں قتل کیا جائے گا۔" یہ سُنتے ہی جناب زینب نے اپنا گریبان چاک کر دیا۔ ڈاڑھیں مار کر رونے لگیں اور فرمایا ہے ہے بھائی! یہ کیا کہا؟" اور غش کھا کر گر گئیں۔ بہن کی یہ حالت دیکھی تو امام حسینؑ کا انتشار بڑھ گیا آپ نے اُن معظمہ کے منہ پر پانی چھڑکا اور ہوش میں آئیں تو کلماتِ صبر ارشاد فرما کر مغمومہ بہن کو تسلی دی۔

دُوسرا باب

قتلِ حسینؑ کی تیّاریاں

ابن زیاد کو قتل حسینؑ کے لئے لشکر فراہم کرنے کی ضرورت ہُوئی تو اُس نے جا بجا بھرتی کا اعلان کر دیا اور امام کے قتل کو عوام کی نگاہ میں اس قدر معمولی کر دکھایا کہ رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والوں نے بلا تکلف فرزند رسول کے قتل پر کمر باندھ لی۔ آناً فاناً ایک کثیر فوج جمع ہوگئی جس کا ابن زیاد نے عمر سعد کو چارج دیا۔ اپنی عقبیٰ کو بیچدیا۔ اور چار ہزار کا دستہ لے کر نہایت مستعدی سے کربلا میں جا پہنچا۔ کوفہ کی چھاؤنی میں ابھی بھرتی کا سلسلہ جاری تھا اور جس قدر فوج جمع ہو جاتی تھی ابن زیاد کے حکم سے روزانہ عمر سعد کی کمک کے لئے روانہ کر دی جاتی تھی۔ ۶ محرم تک عمر سعد کی کل فوج شمار میں تیس ہزار تک پہنچ گئی تو بھرتی بند ہوگئی۔

عمر سعد کے نام ابن زیاد کا پہلا فرمان

"عمر سعد دارالخلافہ دمشق سے حضرت خلافت پناہ کا حکم کو یہ فرمان

موصول ہُوا ہے کہ تم کو حسینؑ اور اطفال حسینؑ پر پانی بند کر دینے کا تاکیدی حکم لکھ بھیجیں" حکم پاتے ہی عمر سعد نے فرات کے کنارے پہرے بٹھا دیئے گھاٹ روک دیئے اور حسینؑ و اطفالِ حسینؑ پر سختی سے پانی بند کر دیا۔ جب انصار و اطفالِ حسینؑ پر تشنگی کا غلبہ ہُوا۔ اور امام حسینؑ عمر سعد کے ظلم و جور سے تنگ آ گئے تو ایک دن ایک بلند مقام پر تلوار کے سہارے کھڑے ہو کر فرمایا۔ ظالمو! تمہیں اُس خدا کی قسم! جس نے تمہیں پیدا کیا ہے کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ جب سب نے یک زبان ہو کر کہا" ہم جانتے ہیں بے شک آپ فرزندِ رسول ہیں۔" تو ارشاد فرمایا" کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ رسول اللہؐ میرے جدِ امجد ہیں۔ اور ان کی زوجہ محترمہ جو عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائیں۔ میری جدۂ ماجدہ ہیں؟ اور اُن کی بیٹی فاطمہ زہراء جو زنانِ اولین و آخرین کی سردار ہیں میری مادرِ گرامی ہیں؟ اور رسول اللہؐ کے بھائی ان کے خویش علی مرتضیٰؑ میرے بابا ہیں۔ جو سابق الاسلام اور کل جنؑ و انس کے امام ہیں۔ وہ ہی کل قیامت کے دن ساقی کوثر ہوں گے۔ انہیں کے دوست اور غلام سیراب ہوں گے اور اُن کے دشمن اور مخالف محروم ہی رہیں گے۔ نشانِ رحمت روزِ حشر انہیں کے ہاتھ میں ہو گا۔ اور شیرِ خدا اور شیرِ رسول سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضؓ میرے باپ کے چچا ہیں اور حضرت جعفر طیار جو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے سردار بنائے گئے تھے میرے عمِ نامدار ہیں؟ جب سب نے

اقرار کرلیا تو فرمایا "اچھا یہ بھی جانتے ہو کہ یہ تلوار جو میں حمائل کئے ہوں رسول اللہ کی ہے۔ اور یہ عمامہ جو اس وقت میرے سر پر ہے رسول اللہ ہی کا ہے"
یزیدی فوج نے جواب دیا یہ سب کچھ جانتے ہیں مگر آپ کو بھوکا پیاسا قتل کرکے ہی رہیں گے۔ جب امام حسینؑ کے یہ غم اندوہ اور جگر سوز کلمات اہلِ حرم نے سُنے تو خیامِ امام میں کہرام مچ گیا۔ آپ سے اہلِ بیت کی گریۂ زاری نہ سُنی گئی۔ اور اپنے بھائی عباس اور نورِ نظر علی اکبر کو بلاکر کہا۔
جاؤ۔ اہلِ بیت سے کہہ دو کہ ابھی تمہارے رونے کا وقت نہیں ہے۔"

عمر سعد کے نام ابن زیاد کا دُوسرا فرمان

"جنگ حسینی میں تمہاری طرف سے ورنگ کی خبر سرکارِ عالیہ کو پہنچ چکی ہے۔ خبردار! دیر نہ کرو۔ جنگ فوراً شروع کردو۔"
فرمان کا ملنا تھا کہ طبلِ جنگ بجا۔ شمر ذی الجوشن نے لشکرِ حسینؑ کے قریب آکر آواز دی۔
"میرے بھانجے عبداللہ۔ جعفر۔ عباس کدھر ہیں؟" جب ان وفاداروں میں سے کسی نے شمر کو جواب نہ دیا تو امام حسینؑ نے خود فرمایا" بھائیو! شمر کو جواب دو۔ وہ جیسا کچھ بھی ہے مگر رشتہ میں تمہارا ماموں ہوتا ہے۔" حضرت اُمّ البنین کے فرزندوں نے شمر سے دریافت کیا۔" تیرا مطلب کیا ہے؟"

موصول ہُوا ہے کہ تم کو حسینؑ اور اطفالِ حسینؑ پر پانی بند کردینے کا تاکیدی حکم لکھ بھیجیں۔ حکم پاتے ہی عمر سعد نے فرات کے کنارے پہرے بٹھا دئے گھاٹ روک دئے اور حسینؑ و اطفالِ حسینؑ پر سختی سے پانی بند کر دیا۔ جب انصار و اطفالِ حسینؑ پر تشنگی کا غلبہ ہُوا۔ اور امام حسینؑ عمر سعد کے ظلم و جور سے تنگ آ گئے تو ایک دن ایک بلند مقام پر تلوار کے سہارے کھڑے ہو کر فرمایا۔ ظالمو! تمہیں اُس خدا کی قسم! جس نے تمہیں پیدا کیا ہے کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ جب سب نے یک زبان ہو کر کہا " ہم جانتے ہیں بے شک آپ فرزندِ رسول ہیں۔" تو ارشاد فرمایا " کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ رسول اللہؐ میرے جدِ امجد ہیں۔ اور ان کی زوجہ محترمہ جو عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائیں۔ میری جدۂ ماجدہ ہیں؟ اور اُن کی بیٹی فاطمہ زہراء جو زنانِ اولین و آخرین کی سردار ہیں میری مادرِ گرامی ہیں؟ اور رسول اللہؐ کے بھائی ان کے خویش علی مرتضیٰ میرے بابا ہیں۔ جو سابق الاسلام اور کل جن و انس کے امام ہیں۔ وہ ہی کل قیامت کے دن ساقیِ کوثر ہوں گے۔ انہیں کے دوست اور غلام سیراب ہوں گے اور اُن کے دشمن اور مخالف محروم ہی رہیں گے۔ نشانِ رحمت روزِ حشر انہیں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور شیرِ خدا اور شیرِ رسول سید الشہداء حضرت حمزہ رضؓ میرے باپ کے چچا ہیں اور حضرت جعفر طیار جو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے سردار بنائے گئے تھے میرے عمِ نامدار ہیں؟ جب سب نے

اقرار کرلیا تو فرمایا "اچھا یہ بھی جانتے ہو کہ یہ تلوار جو میں حمائل کئے ہوں رسول اللہ کی ہے۔ اور یہ عمامہ جو اس وقت میرے سر پہ ہے رسول اللہ ہی کا ہے"
یزیدی فوج نے جواب دیا یہ سب کچھ جانتے ہیں مگر آپ کو بھوکا پیاسا قتل کر کے ہی رہیں گے۔ جب امام حسینؑ کے یہ غم اندوہ اور جگر سوز کلمات اہلِ حرم نے سُنے تو خیامِ امام میں کہرام مچ گیا۔ آپ سے اہل بیت کی گریہ زاری نہ سُنی گئی۔ اور اپنے بھائی عباس اور نورِ نظر علی اکبر کو بلا کر کہا۔
جاؤ۔ اہل بیت سے کہہ دو کہ ابھی تمہارے رونے کا وقت نہیں ہے"

عمر سعد کے نام ابن زیاد کا دُوسرا فرمان

" جنگ حسینی میں تمہاری طرف سے ورنگ کی خبر سرکار عالیہ کو پہنچ چکی ہے۔ خبردار! دیر نہ کرو۔ جنگ فوراً شروع کردو"
فرمان کا ملنا تھا کہ طبلِ جنگ بجا۔ شمر ذی الجوشن نے لشکرِ حسینؑ کے قریب آکر آواز دی۔
" میرے بھانجے عبداللہ۔ جعفر۔ عباس کدھر ہیں؟" جب ان وفاداروں میں سے کسی نے شمر کو جواب نہ دیا تو امام حسینؑ نے خود فرمایا " بھائیو! شمر کو جواب دو۔ وہ جیسا کچھ بھی ہے مگر رشتہ میں تمہارا ماموں ہوتا ہے" حضرت اُم البنینؑ کے فرزندوں نے شمر سے دریافت کیا۔ " تیرا مطلب کیا ہے؟"

اُس نے کہا، تم سب میرے بھانجے ہوتے ہو۔ اَور مجھے تمہاری نسبت اپنی بہن کا خیال ہے۔ تمہارے لئے حاکم سے امان کا پروانہ لکھوا کر لایا ہُوں تم حسینؑ کے ساتھ مُفت میں کیوں اپنی جان دیتے ہو۔ میری بات مانو اور یزید کی اطاعت قبول کرو۔" حضرت عباس نے للکار کر فرمایا "شمر تو خدا کا دشمن ہے۔ خدا کرے تیرے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیںؔ[1]!

لعنت ہے تیری امان پر! کیا تو ہم کو یہ مشورہ دینے آیا ہے کہ ہم اپنے آقا اور اپنے مولا فرزند رسول الثقلین جناب امام حسین کو زغۂ اعدا میں چھوڑ دیں اور ملعون بن ملعون کی اطاعت قبوُل کرلیں ؟"

اُس وقت شمر ندامت سے جھلاّ کر واپس چلا گیا۔

دشمنوں کا یہ رنگ دیکھ کر حضرت نے سمجھ لیا کہ ان کو میرے قتل کی بہت ہی جلدی ہے، اُس وقت حضرتِ عباس سے ارشاد فرمایا بھیّا! اس قومِ جفا کار سے کہہ دو کہ حسینؑ تم سے ایک رات کی مہلت کا طلبگار ہے تاکہ اپنی عمر کی اس آخری شب میں جی بھر کے خدا کی عبادت کرلے۔ حکمِ امام پاکر

---

[1] حضرت عباس کا یہ کلمہ کس قدر مشابہ ہے قول باری تعالیٰ تبت یدا ابی لھب سے مطلب آپ کا یہ تھا کہ جس طرح ابولہب کا چچا ہونا شانِ رسول کو نہیں گھٹاتا اُسی طرح شمر کے ماموں ہونے سے میری شان میں کچھ فرق نہیں آتا۔" (از طرف مترجم)

حضرت عباسؑ روانہ ہو گئے اور مسلمانوں سے فرزند رسول کے لئے ایک شب کی مہلت کے خواستگار ہوئے۔ عمر سعد ہرگز مہلت دینا نہ چاہتا تھا۔ لیکن ایک فوجی افسر عمر بن الحجاج کے احتجاج[1] پر مجبور ہو گیا اور مہلت دیدی۔

---

[1] حجاج نے عمر سعد سے کہا اگر مجرم و گنہ گار کفار بھی ایسا سوال کرتے تو رد نہیں کیا جا سکتا تھا تو تو مسلمان ہے۔ رسول کا کلمہ پڑھتا ہے اور وہ فرزند رسول ہیں تو ان کو خدا کی عبادت کے لئے بھی مہلت نہیں دیتا۔

شب دہم

اوّل شب سے ہی امام حسینؑ مع اپنے اقربا اور اصحابِ باوفا کے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ ذکرِ خدا اور تلاوتِ قرآن کی آوازیں خیامِ امام سے رات بھر اس طرح بلند ہوتی رہیں جس طرح شہد کی مکھیوں کی چھتہ میں بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔

اسی شب کو حضرت پر غنودگی طاری ہو گئی تو خواب میں دیکھا کہ جناب رسولِ خدا مع امیر المومنین علیؑ مرتضیٰ اور صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراؑ اور مسموم دغا حسنؑ سبز قبا تشریف لائے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ حسینؑ! اب ہم سب پہ تمہاری جدائی شاق ہے۔ کل تم ہم سے ملو گے۔

آپ نے یہ خواب اپنی دکھیا بہن جناب زینبؑ سے بیان کیا تو اُن معظمہ کا حال غیر ہو گیا اور آپ باوازِ بلند رونے لگیں۔ حضرت نے فرمایا بہن! صبر کرو۔ تمہارے رونے سے دشمن حسینؑ پر ہنسیں گے۔

اسی رات کو امام حسینؑ نے اپنے اہل بیت اور اصحاب کو اپنے پاس بلایا۔ اور بعد حمد و ثنا الٰہی کے فرمایا۔ دوستو! حق یہ ہے کہ تم نے حق وفاداری

ادا کر دیا۔ تمہاری جان نثاری خاتم الانبیاء کے اصحاب سے بھی بڑھ کر ہے پھر فرمایا۔ عزیزو! آج تم نے صلہ رحم کی بے نظیر مثال قائم کر دی۔ تم سے بہتر اصحاب رُوئے زمین پر نہ کسی کے ہُوئے نہ ہوں گے۔ خدا تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ پھر دوستوں اور عزیزوں کے کل مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم سب کے لئے جان بچانے کا اب موقع ہے۔ یقین جانو۔ یہ نام کے مسلمان صرف میرے ہی خون کے پیاسے ہیں تم سے مطلق پرخاش نہیں۔ میں چاہتا ہُوں کہ میری وجہ سے تم اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔ شب کی اِس تاریکی میں یہاں سے دُور نکل جاؤ۔" پھر عزیزوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم اپنی جان بچانے کے لئے جدھر چاہو چلے جاؤ بلکہ اپنے ہمراہ اہلِ حرم کو بھی لے جاؤ۔" پھر اَولادِ عقیل سے خصوصیت کے ساتھ مخاطب ہو کر فرمایا۔ "تمہارے باپ کا ہماری نصرت میں قتل ہونا ہی کافی ہے۔ جاؤ میں نے تم کو اجازت دی۔" اتنا فرمانا تھا کہ آپ کے لشکر میں سخت بیچینی پھیل گئی۔ جوشِ اطاعت اَور وفورِ محبّت میں حضرت عباس کھڑے ہو گئے اور عرض کیا۔ "مولا! خدا ہم کو وہ روزِ بد نہ دکھائے کہ ہمارے سر پر آپ کا سایہ نہ رہے۔" حضرت عباسؑ ہی کی طرح اَور عزیزوںؑ نے بھی جان نثاری کے لئے آمادگی ظاہر کی۔

ؑ عزیزوں میں علی اکبر۔ قاسم۔ عون و محمد اولادِ عقیل اور برادران عباس علیہم السلام مراد ہیں۔

ایک دوسری روایت کا مضمون یہ ہے کہ کل عزیزوں نے یک زبان ہو کر خدمتِ امام علیہ السّلام میں یہ عرض کی: "حضور اس وقت ہم سب کے سردار اور سرپرست ہیں۔ آپ کے قدموں کو چھوڑ کر غلام کہاں جا سکتے ہیں مدینہ جا کر ہم کیا منہ دکھائیں گے۔ اور جب اہلِ مدینہ ہم سے دریافت کریں گے کہ امام کو کہاں چھوڑا؟" تو ہم کیا جواب دیں گے؟ سرکار اب ہم سے جانے کی بابت ارشاد نہ فرمائیں۔ ہماری عین خواہش یہ ہے کہ حضور کے قدومِ میمنت لزوم پر اپنی جانیں قربان کر دیں"۔ اب انصار میں سے اوّل مسلم بن عوسجہ دُوسرے سعید بن عبداللہ تیسرے زہیر بن قین یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے۔ مسلم نے کہا" آپ جانشین رسول اور جگر گوشہ علی و بتول ہیں اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضور نرغۂ اعدا میں گھر گئے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کی وصیتیں ثقلین کی بابت ہم کو یاد ہیں۔ آپ کو چھوڑنا قرآن کو چھوڑنا ہے بلکہ اسلام سے منہ کو موڑنا ہے۔ سرکار کے دشمنوں سے میں جان توڑ کے لڑوں گا۔ سروں پہ اُن کے تلواریں ماروں گا اور سینوں میں نیزے بھونک دُوں گا۔ اور اگر ہتھیار بھی میرے ٹوٹ جائیں گے تو آپ کے دشمنوں کو پتھر مار کے ہلاک کروں گا۔ پھر سعید بن عبداللہ حنفی کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے فرزند رسول! رسول اللہ کی آخری آواز" معاشر الناس انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم

بهما لن تضلوا! انهما لن يفترقا حتى يردا على الحوض ٥
(میں ساری دنیا کو آج بتا دیتا ہوں کہ میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے
اپنے بعد دو گراں قدر چیزیں چھوڑ جاؤں گا۔ ایک کتابِ خدا اور دوسری اپنی
عترت۔ ان دونوں سے تمسک کرنے والے کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ نہ ان
دونوں میں قیامت تک جُدائی ہوگی) رسُول اللہ کی اس وصیت پر عمل کرنے
کا خاص وقت یہ ہی ہے، خدا کی قسم! کربلا کے اس چٹیل میدان میں تمسکِ
ثقلین کی مثال میں قائم کر کے رہوں گا۔ اور یہ تو ایک دفعہ ہی کا مرنا ہے اور
مرنے کے بعد اَبدی کرامت ہے۔ اگر بعد شہادت کچھ اجر و ثواب بھی مجھے نہ
ملے اور حضور کی نصرت میں مجھے قتل کرنے کے بعد پھر زندہ کیا جائے۔ اور
زندہ آگ میں جلایا جائے اور میری خاک کو ہوا میں اُڑا دیا جائے اور یہ ہی عمل
میرے ساتھ ستر مرتبہ کیا جائے تب بھی میں حضور کے قدموں سے جدا نہ ہونگا

سعید کی تقریر ختم ہُوئی تھی کہ زہیر کھڑے ہو گئے اور دست بستہ خدمتِ
امام میں عرض کیا یا ابن رسول اللہ! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ حضور کے اہل بیت
سے یہ بلا کسی طرح ٹل جائے اور میں آپ سب کا فدیہ ہو جاؤں۔ اور اگر میرے
قتل سے حضور کی اور اہل بیت کی سلامتی ممکن ہو تو ایک مرتبہ کیا ہزار مرتبہ
قتل ہونے کے لئے میں تیار ہوں" اسی طرح امام حسین علیہ السّلام کے
باقی اصحاب نے بھی متفق اللفظ ہو کر کہا سرکار! ہم کو تو آپ کی رفاقت میں ہاتھوں

سے حضور کے دشمنوں پر تلواریں مارنا اور چہروں پر زخم کھانا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ حضور کی نصرت میں مرجانا اب ہمارا فرض ہے۔"

صُبح عاشور

مہلت کی رات ختم ہوگئی اور اُفقِ مشرق میں سفیدۂ سحر نمودار ہوا تو جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ عمر سعد سوار و پیادے لے کر حسینؑ کے مختصر سے لشکر پر حملہ کرنے کے لئے آگیا۔ حجّتِ خدا نے اتمامِ حجت کے لئے زہیر بن قضیر کو عمر سعد کے پاس بھیجا۔ جناب بُریر نے بہت کچھ نصیحت کی مگر فرو کارگر نہ ہوئی۔ اس پر مجبور ہو کر خود فرزندِ رسول اتمامِ حجت کے لئے برآمد ہوئے اور گھوڑے سے اُتر کر اونٹنی پر سوار ہوئے[1]۔

باجوں گاجوں کے شور سے میدانِ کربلا گونج رہا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ آپ نے حکم دے کر شور و غل اعجاز سے بند کر دیا۔ جب خاموشی چھا

---

[1] صاحب مقتل لہوف نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک کے مطابق امام حسینؑ اونٹنی پر سوار ہوئے۔ اور دوسری کے مطابق گھوڑے پر۔ مگر ہمارے نزدیک اونٹنی پر سوار ہونا زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ اس لئے کہ امام حسین ابھی جنگ کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ تبلیغ اور اتمام حجت کے واسطے جس کے لئے بلندی کی ضرورت ہے

(از طرف مترجم)

گئی تو بعد حمد و ثناء الٰہی کے ارشاد فرمایا۔ اے جماعت اشرار تم پر خدا کی مار تم نے عرب کی حمیت کو بھی کھو دیا۔ مہمان بلا کر ہم پر تلواریں کھینچ لیں اور ناحق مارنے پر تل گئے۔ جس کی محبّت میں تم ہم کو قتل کرتے ہو وہ وہی تو ہے جس کو تم نے اپنے خطوط میں دشمن لکھّا تھا۔ اب تم اسی کی مدد کر کے ہماری ہلاکت کا باعث ہوئے ہو۔ خدا کرے تمہاری کوئی اُمید ان کے ذریعہ سے پوری نہ ہو۔ آگاہ ہو جاؤ! بہت پچھتاؤ گے تم نے ہم سے بے وفائی کی۔ حالانکہ تم صاحب اختیار تھے اور تمہارے ہاتھ میں تلوار تھی۔ دل تمہارا مطمئن تھا اور حق و باطل تم پر خوب روشن تھا لیکن تم نے ناحق ہماری مخالفت کر کے اسلام کو بدنما کر دیا اور مسلمانوں کو برباد کیا۔ اے بنی اُمیہ کے غلامو! نفاق کے پتلو! قرآن سے پھرنے والو! احکام کے بدلنے والو! اور سُنّتوں کے مٹانے والو! شیطان کی پیروی کرنے والو! کیا اب بھی تم دشمنانِ دین کی حمایت اور حامیانِ دین کی مخالفت کئے جاؤ گے؟ تم ضرور ایسا ہی کرو گے۔ بد عہدی اور کجروی تو تمہاری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ شجر ملعونہ کی جڑیں اور شاخیں تو بنی اُمیہ ہیں لیکن تم اس پیڑ کے پھل ہو۔ دیکھنے میں خوشنما ہو مگر ذائقہ میں نہایت تلخ۔ بتائے دیتا ہوں کہ تم کو ایک مجہول النسب نے ذلّت و خواری کی دلدل میں پھنسا دیا ہے اور ہم تو ہر قسم کی ذلّت سے محفوظ ہیں کیونکہ ہم خدا کے خاص بندے ہیں۔ اس کے رسول کی آل ہیں۔ اور ایمان لانے والوں کی نسل سے ہیں۔ ہم پاکیزہ گودوں

میں پلے ہیں۔ طاہر آغوش میں رہے ہیں۔ ہم غیرت دار ہیں۔ ہمارے نفوس کبھی شریفوں کی کساد بازاری کے لیے رذیلوں کی اطاعت قبول نہیں کر سکتے یاد رکھو میں ضرور اپنی چھوٹی سی جماعت لے کر اس بے شمار فوج میں گھس جاؤں گا۔ اگرچہ تم سب نے میری رفاقت ترک کر دی ہے۔" اتنا کہہ کر آپ نے فردہ بن مسیک الرادی کے ابیات پڑھے۔

"اس جنگ میں اگر ہم فتحیاب ہوئے تو کیا تعجب ہے؟ فتح تو ہماری موروثی ہے اور اگر ہم کو شکست ہو بھی گئی تو اس میں بھی ہمیشہ کے لئے ہماری فتحمندی کی صورت ہے۔

ہم بزدل نہیں ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ہم کو شہادت نصیب ہونے والی ہے اور دوسروں کو چند روزہ حکومت۔

موت کسی پر بس نہیں کرتی بلکہ ایک کے بعد اسی طرح دوسرے کی گھات میں لگی رہتی ہے۔

ہم کیا؟ اس موت نے ہمارے سے سرو قدوں کو پیوند خاک کر دیا سب جانتے ہیں کہ اس کی روش ہر ایک کے ساتھ یہی رہی ہے۔ اگر کسی بادشاہ کو دنیا میں ہمیشہ رکھا جاتا تو وہ ہم ہی ہوتے اور موت اگر کسی شریف کو باقی چھوڑتی تو بس ہم ہی اس لائق تھے۔ مگر وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔

دشمن جو ہم پر ہنس رہے ہیں اُن سے کہہ دو کہ تم ابھی تو اپنا دل ٹھنڈا کر لو، لیکن سمجھ لو کہ ایک دن تم کو بھی یہی راہ چلنی ہے۔"

پھر فرمایا" آگاہ ہو جاؤ! تم میری شہادت کے بعد اس دنیا میں بس اتنی دیر باقی رہو گے جیسے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار۔ پھر تو آسمانوں و زمین کے دونوں پاٹ چکی کی طرح تم کو پیس ڈالیں گے اور کیلی کا چکر تم کو ہلا ڈالے گا۔ یہ سب کچھ میرے نانا جان سے روایت کرتے ہوئے میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا ہے۔ تو اب تم اپنے معاملہ کو درست کر لو۔ اور اپنے شریکوں کو جمع کر لو۔ تا کہ اس کے بعد تمہارا معاملہ تم پر دشوار نہ ہو جائے۔ اور تم کو بعد میں اپنی کوتاہی پر کفِ افسوس ملنا نہ پڑے۔ اب میرے بارے میں جو کچھ طے کرنا ہے کر لو۔ کیونکہ اس کے بعد پھر تمہیں مہلت نہ ملے گی۔ میں نے تو خدا پر توکّل کر لیا جو میرا بھی پالنے والا ہے اور تمہارا بھی پالنے والا ہے۔ کوئی جاندار ایسا نہ رہے گا جسے خدا اپنی طرف کھینچ نہ بلائے۔ بے شک میرا رب جو کچھ کرتا ہے عین انصاف ہوتا ہے۔ بارالہا! ان سے آسمان کی بارش کو روک لے۔ یوسفؑ کے زمانہ کی قحط سالی ان پر بھیج دے۔ اور ان پر قبیلۂ بنی ثقیف کے لڑکے کو مسلّط کر دے جو انہیں انتقام کے تلخ جام سے سیراب کرے۔ کیونکہ انہوں نے ہمیں جھٹلایا اور ساتھ چھوڑ دیا اور تو ہی ہماری سننے والا ہے اور ہمارا پالنے والا ہے تجھ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا

ہے۔ تجھ ہی سے ہم نے لو لگائی ہے۔ اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہے
پھر آپ نے بنا بر بعض روایات کے اونٹنی سے نزول اجلال فرمایا اور
مرتجز یعنی رسول اللہ کی سواری کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے اصحاب
کو لڑائی پر آمادہ کیا۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ کے اصحاب
کی تعداد ایک سو پینتالیس تھی۔ جس میں پینتالیس سوار اور ایک سو پیادے
تھے اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عمر سعد بڑھا اور
لشکرِ حسینؑ کی طرف تیر پھینکا اور اپنی فوج سے مخاطب ہو کر کہا "امیر کے
سامنے اس بات کی گواہی دینا کہ پہلا تیر چلانے والا میں ہوں" پھر تو امام
کے لشکر کی طرف تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ اُس وقت امام حسینؑ نے اپنے
اصحاب سے فرمایا "اللہ تم پر رحم کرے! آمادہ ہو جاؤ اور اُس موت سے
ملاقات کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ جس سے کسی کو مفر نہیں ہے کیونکہ
یہ تیر ہی ہمارے قاتلوں کے قاصد ہیں جو تمہارے پاس پیامِ موت لائے
ہیں۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی اور جب امام حسینؑ کے اکثر اصحاب قتل
ہو گئے تو اُس وقت حضرت نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ رکھا۔ اور فرمانے
لگے یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا جب اُنہوں نے اس کے لئے
عزیر کو بیٹا تجویز کیا اور نصاریٰ پر غضبِ خدا کی آگ بھڑکی۔ جب انہوں
نے اُس کو تین میں کا تیسرا شمار کیا۔ اور مجوسیوں پر عذابِ الٰہی نازل ہوا

جب وہ سُورج اور چاند کی پرستش کرنے لگے اور تم پر نائرہ غیظ الٰہی تُبُں مشتعل ہوا کہ تم اپنے نبی کے نواسہ کے قتل پر یک زبان ہو گئے۔ اور یہ واضح رہے کہ میں خدا کی قسم تمہاری غیر مشروع مرادوں کی اجابت نہ کروں گا یہاں تک کہ شہادت نصیب ہو اور میں اپنے خون میں نہاؤں۔

حضرت صادق فرماتے ہیں " میں نے اپنے والد ماجد سے سُنا ہے کہ جب امام حسینؑ اور عمر میں مڈبھیڑ ہوئی اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا تو اللہ نے نصرت کو نازل کیا یہاں کہ وہ آپ کے سر پر سایہ فگن ہو گئی۔ پھر دشمنوں پر غلبہ پانے اور شہادت حاصل کرنے کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے شہادت کو پسند فرمایا "

پھر امام حسینؑ نے باواز بلند فرمایا۔ کوئی فریاد رس ہے " جو خوشنودیٔ خدا کے لئے ہماری فریاد کو پہنچے " آیا کوئی حمایت کرنے والا ہے جو حرم رسولؐ کی حمایت کو آئے ؟ اُس وقت حر ابن یزید ریاحی دفعتاً ابن سعد کی طرف متوجّہ ہوا اور بولا " کیا تجھے اس برگزیدہ خدا سے مقابلہ کرنا ہی ہے ؟ اس نے جواب دیا بے شک خدا کی قسم ! ایسا مقابلہ کروں گا جس میں سروں کا اُڑنا اور ہاتھوں کا کٹنا معمولی بات ہو گی " یہ جواب سُن کر حر اصحاب عمر سعد کی قطار میں کھڑا ہو گیا اور خوفِ الٰہی سے تھرّانے لگا۔ یہ دیکھ کر مہاجر بن اوس نے کہا " اے حر ! تیری حالت سے تو آج ہم کو وسواس ہوتا ہے

حالانکہ اب تک تیرے متعلق ہمارا یہ خیال تھا کہ کوفہ بھر میں بس ایک تو یکتا اور بے مثل بہادر ہے۔ بتا تو سہی اب یہ کپکپی تجھ پر کیوں طاری ہوگئی ہے؟ حُر بولا میں جنّت یا دوزخ اختیار کرنے کا اپنے نفس کے لئے اندازہ کر رہا ہوں۔ سو خدا کی قسم! میں تو کبھی جنّت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دوں گا۔ اگرچہ پارہ پارہ کر دیا جاؤں اور جلا دیا جاؤں" پھر گھوڑے کو مہمیز کیا اور امام حسینؑ کی سمت روانہ ہوا۔ اور سر پر ہاتھ رکھے ہوئے یہ کہتا تھا بار الٰہا! اب میں نے تیری طرف رجوع کیا ہے میری توبہ قبول کر۔ اس لئے کہ میں نے تیرے دوستوں کے دل کو اور تیرے نبی کی اولاد کو دہشت میں ڈالا۔ اور پھر حضرت کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا۔ "میری جان آپ پر نثار۔ میں وہی شخص ہوں جس نے قبلۂ عالم کو واپسی سے روکا۔ اور آپ پر تنگی کی۔ مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا یہ سلوک کریں گے جو اب میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اور اب میں خدا کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ کیا آپ کی رائے میں میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اللہ تیری توبہ قبول کرے گا ——— ! پھر حُر نے کہا" چونکہ میں نے ہی پہلے آپ کی مخالفت کی۔ اور سدِ راہ ہوا تھا۔ لہٰذا اب میری خواہش یہ ہے کہ آپ مجھے اذنِ جہاد دیں تاکہ میں ہی سب سے پہلے آپ کے قدموں پہ جان قربان کروں۔ شاید اسی ذریعہ سے میرا شمار برگزیدگانِ خدا میں ہو جائے جن کو روزِ قیامت آپ کے جدّ امجد جناب

علی بن موسیٰ جامع مقتل لہوف کہتے ہیں کہ مطابق روایات حُر کے آنے سے پہلے بہت سے اصحابِ حسینؑ درجۂ شہادت پر فائز ہو چکے تھے حُر کے لشکرِ حسینؑ میں داخل ہونے کے بعد سے اگر شمار کیا جائے تو پہلی شہادت حُر کی ہی ہو سکتی ہے اور یہی حُر کی عرضداشت کا مطلب تھا۔ غرض آپ نے حُر کو اجازت دے دی۔ حُر نے خوب جہاد کیا اور بہت سے دلیروں اور بہادروں کو تہ تیغ کیا۔ آخر شہادت پائی۔ امام حسینؑ بنفسِ نفیس حُر کی نعش پر پہنچے اور حُر کے چہرے سے گرد صاف کرنے لگے۔ فرماتے تھے "بے شک اے حُر! تو آتشِ جہنم سے آزاد ہے" روایت میں مذکور ہے کہ بعد شہادت حضرت حُر بریر بن خضیر ہمدانی برآمد ہوئے۔ آپ ایک مردِ زاہد اور عابد تھے اور آپ کے مقابلہ کے لئے یزید بن معقل بڑھا۔ دونوں نے آپس میں اس بات پر اتفاق کیا کہ مباہلہ کریں" اور کہیں یا اللہ! جو سچا ہو جھوٹے کو قتل کر دے" یہ طے کر کے دونوں مصروفِ کارزار ہوئے۔ حق آخر غالب ہوا۔ اور حضرت بُریر نے یزید کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس پر بھی بُریر برابر لڑتے ہی رہے یہاں تک کہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

اللہ رے اصحابِ حسینی! وہ آفتاب کی تمازت، بھوک اور پیاس کی شدّت۔ حرب و ضرب کی صعوبت۔ غریب الوطنی اور مفارقتِ عیال کی مصیبت۔ یہ انتشار کے کل اسباب فطرت کے خلاف اُن جان نثاروں

کو نصرتِ حسینی پر مستقل بنا رہے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی محمد بن بشر کو انہی
پریشانیوں کی حالت میں معلوم ہوا کہ اُن کا جوان بیٹا ملک رَے میں گرفتار
ہو گیا ہے تو اُنہوں نے بیٹے کی مطلق فکر نہ کی۔ نصرت کے خیالات میں اُسی
طرح مستغرق رہے۔ جب حضرت کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا" ابن بشر! خدا تم پر
رحم کرے۔ میری بیعت سے تم اَب بالکل آزاد ہو۔ بیٹے کو چھڑانے کی جلد
کوئی تدبیر کرو۔" محمّد بن بشر نے عرض کی" حضور کیا فرماتے ہیں! اگر میں سرکار
کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو خدا کرے جیتے جاگتے مجھ کو بھیڑیے پھاڑ کھائیں۔ یہ
سن کر امام عالی مقام خیمۂ محترم میں تشریف لے گئے اور چند اعلیٰ قسم کی
چادریں جن کی قیمت ایک ہزار اشرفیاں تھیں۔ محمد بن بشر کو لا کر دیں۔ اور
فرمایا" اپنے دوسرے بیٹے کو روانہ کر دو تا کہ وہ ان کپڑوں کو فدیہ میں دیکر
اپنے بھائی کو قید سے چھڑا لے" پھر وہب پسر حباب کلبی نے اذن جہاد
حاصل کیا اور میدانِ کارزار میں بے انتہا دلیری دکھائی اور حق جہاد ادا کیا
اثناء قتال میں وہب کو اپنی مادر اور زوجہ کا خیال آیا جو میدانِ کربلا میں اُس
مجاہد راہ خدا کے ہمراہ تھیں۔ چنانچہ جنگ سے واپس ہوئے اور مادر گرامی
کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کیوں والدۂ گرامی! آپ مجھ سے راضی ہو
گئیں یا نہیں! مادرِ وہب نے جواب دیا۔ اے بیٹا! میں تم سے
اُس وقت راضی ہوں گی جب تم فرزندِ رسول جانِ علیؑ و بتولؑ کے قدموں

پر اپنی جان نثار کر دو گے۔ مگر زوجۂ وہب نے کہا۔ اے والی میرے! خدا کی قسم آپ اپنی جان کھو کر مجھے غم میں نہ ڈالیئے" یہ سُنتے ہی مادر وہب نے للکارا۔ "اے بیٹا! اس عورت کی بات پر توجہ نہ کرو اور میدانِ قتال کو واپس چلے جاؤ۔ اور اپنے آقا اور اپنے مولا کی حمایت میں اعدائے دین سے جنگ کرو تاکہ روزِ قیامت شفیع روزِ جزا جناب رسولِ خدا کی شفاعت نصیب ہو یہ سُن کر وہب قتل گاہ میں دوبارہ آئے پھر تو برابر لڑتے ہی رہے یہانتک کہ آپ کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔ یہ دیکھ کر زوجۂ وہب نے عمودِ خیمہ کو اکھاڑا۔ شوہر کی حمایت کے لئے بڑھیں اور یہ کہہ کر ترغیب دلائی "اے وہب! میرے ماں باپ تم پر فدا ہو جائیں۔ اہل بیت اطہار اور حرم رسولِؐ مختار سے دشمنوں کو دفع کرو۔ جونہی زوجہ پر وہب کی نظر پڑی۔ غیرت نے جوش مارا۔ اور چاہا کہ پہلے اُسے حرم میں پہنچا دیں مگر اس مومنہ نے شوہر کا دامن پکڑ لیا اور کہا" واپس تو میں ہرگز نہ جاؤں گی۔ اور تمہارے ساتھ ہی اپنی جان اہل بیت پر قربان کروں گی"۔ یہ سُن کر مولائے کونین جناب امام حسینؑ نے فرمایا" میرے اہل بیت کی حمایت کا خدا تمہیں اجر جمیل اور ثواب جزیل کرامت فرمائے! اے زوجۂ وہب حرم سرا میں چلی جاؤ۔ خدا تمہیں اپنی پناہ میں رکھے" فرمان واجب الاتیان سُنتے ہی وہ محترمہ حرم سرا میں واپس چلی گئی۔ اور وہب اسی طرح جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ

آپ نے خلعتِ شہادت حاصل کیا۔ پھر مسلم بن عوسجہ میدانِ قتال میں آئے آپ نے اعدائے دین سے خوب جہاد کیا اور جنگ کی کٹھن منزلوں کو صبر و رضا کے ساتھ طے کیا یہاں تک کہ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ابھی جان باقی تھی کہ امام حسین بنفسِ نفیس پہنچ گئے۔ اور حبیب بن مظاہر آپ کے ہمرکاب تھے۔ آپ نے اُس شہید راہِ خدا سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اے مسلم! خدا تم پر رحم کرے۔ اور کلام الٰہی کی یہ آیت فمنهم من قضی[۱] ومنهم من ينتظر۔ تلاوت فرما کر یہ تبلایا کہ مسلم! عنقریب ہم بھی تمہاری طرح خاک و خون میں نہا کر راہِ خدا میں جان دیں گے۔" حبیب بن مظاہر آگے بڑھے اور کہا: "مسلم! یُوں تو تم سیدھے جنّت میں جا رہے ہو۔ مگر تمہارا بچھڑنا مجھ پر نہایت ہی شاق ہے۔" مسلم نے کپکپاتی ہُوئی آواز سے جواب دیا خدا کرے تمہارا بھی انجام بخیر ہو۔" پھر حبیب بن مظاہر نے کہا مجھے کامل یقین ہے کہ میں بھی تمہارے بعد ہی موت سے بغلگیر ہونے والا ہوں۔ ورنہ اس بات کی خواہش کرتا کہ تم مجھ سے اپنی دلی وصیّت بیان کرو۔ مسلم نے لفظ وصیّت سنتے ہی فوراً امام حسینؑ کی طرف اشارہ کیا اور جس طرح بن پڑا کہا میری وصیّت حضور ہیں۔ جب تک تمہارے دم میں دم رہے مولا کی حمایت سے منہ نہ موڑنا۔" حبیب نے کہا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ یہ سُن کر مسلم کے قلب کو اطمینان ہوا اور طائرِ رُوح

---

[۱] کسی نے تو اپنی جان دے دی اور کسی کو موت کا انتظار ہے۔

قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ اِن کے بعد عمر بن قرظہ انصاری آمادۂ جہاد ہُوئے اَور امام حسینؑ سے طالب اذن ہُوئے۔ آپ نے اجازت دیدی۔ اجازت پاتے ہی نہایت سرگرمی سے آپ معروفِ حرب و ضرب ہُوئے اور گروہ ابن زیاد کی ایک جماعتِ کثیر کو دارالبوار میں پہنچایا۔ محبتِ حسینؑ اس درجہ اُن کے رگ و پے میں سرایت کئے ہُوئے تھی کہ جو تیر خامس آلِ عبا کی طرف آتا اُس کو اپنے ہاتھ پر روک لیتے۔ اور تلوار چلتی تو اپنی جان کو اس کی سپر بنا دیتے۔ غرض امام حسینؑ پر کسی طرح آنچ نہ آنے دی یہانتک کہ زخموں سے چُور ہو گئے۔ ایسی حالت میں حسرت سے دیکھا۔ اور کہا یابن رسُول اللہ! کیا غلام نے حقِ غلامی ادا کر دیا۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا ہاں! تم چونکہ مجھ سے پہلے بہشت عنبر سرشت کو جا رہے ہو۔ میری طرف سے میرے نانا جناب رسُولِ خدا کو میرا سلام پہنچا دینا۔ اور عرض کر دینا کہ حضور کا نواسہ بھی حضور سے ملحق ہونے والا ہے۔ پھر عمر بن قرظہ رض تھوڑی جنگ کے بعد مرحُوم ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوذر کے غلام زنگی نے اذن چاہا۔ امام حسینؑ نے فرمایا تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ تم تو ہمارے ساتھ اس لئے آئے تھے کہ سُکھ اُٹھاؤ اور ہماری طرح دُکھ نہ سہو۔ یہ سُن کر جونؔ نے عرض کیا کہ اے مولا! یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آسائش کے دنوں میں تو آپ کے دستر خوان پر نعمتہائے گوناگوں سے بہرہ ور ہُوں۔ مُصیبت

کے وقت آپ سے مُنہ موڑوں ؟ میرے متعلق حضور کے تامل کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ میرا جسم بدبُودار اور میرا حسب لئیم ہے اور میرا رنگ کالا ہے تو حضور مجھ سے جنّت کو عزیز رکھنا چاہتے ہیں۔ مبادا میرا جسم پاک اور خوشبُودار ہو جائے اور میرا حسب و نسب عالی اور میرا چہرہ نورانی ہو جائے۔ قسم خدا کی میں تو آپ کے قدموں سے ہرگز جُدا نہ ہوں گا تاوقتیکہ میرا سیاہ خون حضور کے خونِ پاک سے نہ مِل جائے"۔ مولا نے جون کا یہ اضطراب اور خون دیکھ کر اذنِ جہاد دیا اور جون نے میدان میں جاکر خوب جنگ کی۔ آخر شہید ہوئے پھر عمر بن خالد صیداوی امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے مولا! میری جان حضور پر فدا ہو۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ آپ اور آپ کے اصحاب ہی حق بجانب ہیں۔ اور آپ سے روگردانی کرنا نہایت مکروہ اور مذموم ہے۔ اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور یکہ و تنہا رہ گئے ہیں۔ اور آپ اپنے اہل و عیال کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوا چاہتے ہیں"۔ امام حسین علیہ السّلام نے فرمایا۔ اچھا بھئی! جاؤ ہم بھی دارِ فانی سے کوچ کرنے والے ہیں"۔ مولا کی اجازت پاکر عمر بن خالد عازمِ جنگاہ ہوئے اور جہاد کیا یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔

علی بن طاؤس ناقل ہیں کہ اس وقت حنظلہ بن اسعد شامی امام حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور صورت یہ تھی کہ تیروں کی بوچھار اور نیزوں کے

وار اور تلواروں کی دھار کو اپنے چہرہ اور سینہ پہ روکتے تھے اور مولا کو دشمنوں کے حملوں سے بچاتے تھے۔ اور اہلِ شام سے پکار پکار کے کہتے تھے "اے میری قوم! مجھے یہ ڈر ہے کہ تمہارا یہ ظلم تمہیں عذاب الٰہی میں کہیں مبتلا نہ کردے اور یوم احزاب[1] اور فان فورج اور بادی عاد و ثمود وغیرہ جیسی ہلاکت میں تم گرفتار نہ ہو جاؤ۔ یاد رکھو اللہ تعالےٰ ہرگز اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اور اے میری قوم! تمہیں کچھ دھیان ہے کہ قیامت کے روز تمہاری حالت کیا ہوگی؟ مجھے تو اُس کے تصور سے ہی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اُس روز عذاب الٰہی کی دہشت کے سبب تم لوگ پشتیں پھیر پھیر کر بھاگتے ہوگے اور سوائے خدا کے تمہارا بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ عزیزو! دیکھو امام حسینؑ کو قتل نہ کرو۔ ورنہ خدا اسے تمہار تمہیں ملیامیٹ کر دے گا۔ اور مفتری تو ہمیشہ ٹوٹے ہی میں رہتا ہے" شامیوں سے اتنا کہنے کے بعد حنظلہ بن اسعد نے مظلومِ کربلا سے سوال کیا "اے مولا! کیا ہمارا مسلک مسلکِ الٰہی نہیں ہے؟ اور کیا ... بعد شہادت ایک دوسرے سے نہ ملیں گے؟ فرمایا بے شک ہم حق پر ہیں۔ بسم اللہ! تم ہمیشہ رہنے والی سلطنت کی طرف جاؤ۔ یہ اشارہ پاتے

---

[1] احزاب سے مراد وہ کفار ہیں جو متفق ہو کر رسول اللہؐ سے جنگ کرنے کو آئے تھے اور خدا نے انہیں ہلاک کر دیا تھا۔ منتہی الارب جلد اول صفحہ ۲۷۵ (مترجم)

ہی حنظلہ اشرار کی طرف بڑھے اور نڈر ہو کر بہادری سے لڑے۔ آخر قتل ہو کر راہئ جنّت ہوئے۔ اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ اور امام حسینؑ نے نماز خوف باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کیا اور حسب الحکم لشکر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ آدھا لشکر نماز پڑھنے کے لئے مامور ہوا۔ اور آدھا نمازیوں کی حفاظت کے لئے متعیّن کیا گیا۔ پھر زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ سے امام عالیمقام نے ارشاد فرمایا کہ محافظین کی جماعت کو لے کر نمازیوں کی صف کے مقابل استادہ ہو جاؤ۔ اور حق حفاظت ادا کرو۔" جوں ہی امام حسینؑ نے نماز کی نیّت کی۔ ایک تیر آپ کی طرف آیا۔ تیر کو دیکھتے ہی سعید جھپٹے۔ اور اپنے سینے پر لے لیا۔ جب تک مولا نماز پڑھتے رہے سعید برابر اسی طرح اپنا سینہ سپر کئے رہے۔ اور آقا تک کوئی تیر نہ پہنچنے دیا۔ یہاں تک کہ خود زخموں سے بے دم ہو کر گرے۔ جسم شریف پر علاوہ زخمہائے نیزہ و شمشیر تیرہ زخم صرف تیروں کے لگے تھے۔ آپ کا گرنا تھا کہ زخموں کے منہ کھل گئے اور خون جاری ہو گیا۔ جلتی ریت نے زخموں میں پہنچ کر سوزش اور کھولن پیدا کر دی۔ آخر سعید کربلا کی تپتی زمین پر اپنے خون میں لوٹنے لگے اور جب کہ دُعا کے یہ کلمے زبان پہ جاری تھے۔" بارالہا! قاتلانِ حسینؑ کو قوم عاد و ثمود کی طرح اپنی رحمت سے دُور رکھنا اور خاتم النبیّین رحمۃ للعالمین تک میرا سلام پہنچا دینا اور میری وہ مصیبتیں جو تیری خوشنودی کے لئے تیرے

نبی کی ذرّیت کی حمایت میں مَیں نے جیلی ہیں اُن پر عیاں کردینا۔ دم توڑ کر راہیِ جنّت ہُوئے۔ پھر سوید بن عمر بن ابی المطاع جو ایک نہایت نماز گذار بزرگوار تھے عازمِ جنگاہ ہُوئے۔ آپ نے شیر غضبناک کی طرح بڑی دلیری سے جنگ کی اور نازل ہونے والی مُصیبتوں کو صبر اور استقلال سے برداشت کیا۔ آخر زخموں سے چُور ہوکر گرے۔ زخموں کی کثرت اور خون کی روانی کے سبب طاقت آپ کے بدن کی ضائع ہو چکی تھی چنانچہ کچھ دیر تک بے حِس حرکت زمین پر پڑے رہے مگر جونہی آپ کے کان میں اشقیا کے اس نعرہ کی آواز پہنچی کہ امام حسینؑ قتل ہو گئے۔ دل مضبوط کر کے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ اَور اپنے موزہ میں سے چُھری نکال کر اسی حال میں دشمنوں کو قتل کرنے گئے یہاں تک کہ خود بھی قتل ہو گئے۔

منقول ہے کہ اصحاب حسینؑ میں اُس وقت جوش کا یہ عالم تھا کہ ایکدوسرے پر حضور کے لئے اپنی جان قربان کرنے میں سبقت کرتا تھا۔ شاعر نے ان کے حال کو کیا خوب نظم کیا ہے۔

" وہ ایسے بلا کے غازی ہیں کہ جب مصیبت کے دفع کرانے کے لئے بُلائے جاتے ہیں تو زرہوں کے اُوپر اپنے دلوں کو پہن لیتے ہیں اور جان دینے میں ایک دُوسرے پر گرے پڑتے ہیں۔

جب انصار حسینی سب شہید ہو چکے اور اہل بیت کے سوائے

آپ کے ہمراہ اور کوئی باقی نہ رہا تو حضرت علی اکبر شبیہ پیغمبرؐ نے ضعیف باپ سے مرنے کی رخصت چاہی آپ نے جوان بیٹے کو مرنے کی رضا تو دے دی مگر ساتھ ہی علی اکبر کو ایک نگاہِ یاس سے دیکھا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے درگاہِ الٰہی میں عرض کی، بارالہا! تو گواہ رہنا کہ اب قوم کے ہاتھ قتل ہونے کو میرا وہ لڑکا جاتا ہے جو صورت، سیرت، رفتار و گفتار میں سب سے زیادہ تیرے رسول سے مشابہ ہے۔ جب کبھی ہم اہل بیت تیرے نبی کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اسی شبیہ پیغمبرؐ کو دیکھ کر ہمارے دلوں کو تسکین ہوتی تھی پھر آپ نے ابن سعد کو آواز دی اور فرمایا" اے ابن سعد! جس طرح تو نے ہمارے حق قرابت کو بھلا دیا تجھے اپنے عزیزوں اور قریبیوں سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اس اثناء میں علی اکبر فوج اشقیا کے درمیان پہنچ گئے اور لڑائی میں مصروف ہوئے۔ آپ نے خوب دادِ شجاعت دی اور اشرار کے ایک کثیر گروہ کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ پھر اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا بابا جان! پیاس کی شدت مجھے مارے ڈالتی ہے۔ اور اس تپتی ہوئی آہنی زرہ کے بوجھ نے مجھے بدم کر دیا ہے۔ اے بابا۔ کیا پانی کا ایک جام کسی طرح دستیاب ہو سکتا ہے؟ یہ سنتے ہی امام حسینؑ بے اختیار رو دیے اور فرمایا۔ ہائے ہائے اے بیٹا! یہ ضعیف باپ تیرے لئے کہاں سے پانی

لائے ؟ اے علی اکبر! تھوڑی دیر صبر کرکے اور لڑلو۔ یقین جانو بہت جلد
تم اپنے جدّ امجد کی خدمت میں پہنچو گے اور وہ تمہیں شربت کے لبریز جام
سے سیراب کر دیں گے جس کے بعد پھر تمہیں کبھی پیاس کی تکلیف نہ ہو گی۔"
پدر بزرگوار کا فرمان واجب الاذعان سُن کر علی اکبر پھر مقتل میں آئے اور بلا
کی جنگ کی۔ آخر منقذ بن مُرہ عبدی نے ایک ایسا تیر مارا کہ علی اکبر گھوڑے
سے زمین پر گر پڑے۔ گرتے ہُوئے آواز دی۔ اے بابا جان! اس غلام
کا حضور کو آخری سلام ہو۔ اے بابا! میرے جدّ امجد بھی میرے پاس
تشریف لائے ہیں۔ اور آپ کو سلام کہتے ہیں۔ اور آپ سے فرماتے
ہیں کہ ہمارے پاس آنے میں جلدی کرو۔" یہ کہتے کہتے علی اکبرؑ کا دم گھٹنے
لگا۔ اور ایک چیخ مار کر راہیٔ جنّت ہُوئے۔ اُسی وقت امام حسینؑ پہنچے
اور بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر سرہانے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔
اے بیٹا! خدا اس قوم جفا کار کو قتل کرے جس نے تجھے قتل کیا۔ افسوس
یہ لوگ اللہ کی نافرمانی اور رسول کی ہتکِ حرمت پر کس قدر جری ہو گئے ہیں
اے علی اکبرؑ! تمہارے بعد تو دنیا اور زندگانیٔ دنیا پر خاک ہے۔" منقول ہے
کہ اس مصیبت کے وقت حضرت زینبؑ بھی خیمہ سے باہر نکل پڑیں۔ اور
آواز دی۔ اے میرے پیارے! اے میرے لختِ جگر! تمہیں کیا ہو
گیا ہے؟ یہ کہتی ہُوئی وہ معظّمہ خیمہ سے مقتل تک جا پہنچیں اور علی اکبرؑ کی

نعش پر گر پڑیں۔ حضرت زینبؑ کی یہ حالت دیکھ کر امام حسینؑ بنفسِ نفیس تشریف لائے اور بہن کو حرم سرا میں واپس لے گئے۔ بعد شہادت علی اکبر مردان اہل بیت میں سے یکے بعد دیگرے ہر شخص میدانِ قتال میں آتا تھا اور درجۂ شہادت پر فائز ہوتا تھا یہ دیکھ کر آپ کے اہل بیت بے قرار ہوتے تھے اور انہیں تسلی اور دلاسا دینے کے لئے امام حسینؑ فرماتے تھے! خدا کی قسم! اے اہل بیتِ رسول! آج کے بعد قیامت تک پھر تمہیں کسی ذلت کا سامنا کرنا نہ پڑے گا۔ آپ کے ان نصیحت آمیز کلمات کو سن کر حرم تو خاموش ہو گئے مگر ایک طفلِ صغیر جو خوبصورتی اور درخشانی میں بس چاند کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا تھا خیمہ سے قتل گاہ کی طرف چلا اور میدانِ وغا میں پہنچ کر اس بچے نے اشقیاء کا مقابلہ کیا۔ فضیل ازدی نے اس کے ننھے سے سر پہ ایک ایسی ضرب لگائی کہ کاسۂ سر دو پارہ ہو گیا۔ اور وہ بچہ یہ فریاد کرتا ہوا منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ "اے چچا جان! خبر لیجئے۔ اس آواز کا سننا تھا کہ امام حسینؑ مثل شیرِ غضبناک فوج اشرار کی طرف جھپٹے اور پھر غیظ میں آکر فضیل پہ تلوار کا وار کیا جس کو اس نے اپنی کلائی پہ روکا۔ لیکن ذوالفقار نے کہنی تک اس کا ہاتھ قلم کر دیا۔ ضرب کھاتے ہی وہ زور سے چلایا۔ اس کے ساتھی کمک کو پہنچے مگر اس ردا روی میں فضیل گھوڑوں کی ٹاپوں میں آکر ہلاک ہو گیا۔ اس خونی منظر کا نظارہ کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ جب فوج کے

رہ گئے کم ہوئے تو ہماری نظر امام حسینؑ پر پڑی۔ دیکھا کہ آپ اپنے اُس کٹے ہوئے بچّے کے سرہانے کھڑے ہیں۔ اور اُس کو دم توڑتے ہوئے دیکھ کر فرماتے ہیں۔ "اے بیٹا! خدا ان جفا کاروں کو ہلاک کرے جنہوں نے تجھ کو قتل کیا۔ قیامت کے روز تمہارے جدّ امجد خدا سے تمہارے قتل کی فریاد کریں گے۔ پھر فرمایا" اے بیٹا! حسینؑ پر بہت شاق ہے کہ تم فریاد کرو اور میں تمہاری فریاد کو نہ پہنچوں اور تمہاری مدد نہ کر سکوں۔ اے فرزند! آج حسینؑ غربت کے عالم اور بے کسی کی حالت میں دشمنوں کے نرغہ میں گھر گیا ہے یہ کہا اور اپنے اُس پارہ جگر کی نعش کو سینہ سے لگا لیا۔ اور پھر گنج شہیداں میں لا کر لٹا دیا۔ گنج شہیداں میں داخل ہوتے ہی امام حسینؑ کی نظر اپنے پیاروں اور محبوں کے کٹے ہوئے اجسام پر پڑی تو دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ دنیا آپ کی نگاہ میں سیاہ ہو گئی۔ اور آپ نے خود بھی اپنا خون انہیں کے خون میں ملا دینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اسی انتشار اور اضطراب کی حالت میں فوج شام سے یہ استغاثہ کیا۔ "آیا ہے کوئی ایسا جو اہل بیت رسولؐ کی حمایت کرے؟ آیا ہے کوئی خدا ترس جو خدا کا خوف کرے اور ہماری فریاد کو پہنچے؟ آیا ہے کوئی ایسا جو آج ہماری مدد کرے اور روز قیامت حضرت احدیت سے انعام کا مستحق ہو؟ حضرت کا استغاثہ تمام نہ ہوا تھا کہ خیام اہل بیت میں یکایک آہ وزاری اور نالہ و بیقراری کی آواز بلند ہوئی۔ کان میں ان آوازوں کا آنا تھا کہ

آپ خیام اہل بیت کی طرف چلے۔ دیکھا کہ علی اصغر نے اپنے تئیں جھولے سے گرا دیا ہے۔ اور پیاس کی شدت سے وہ بچہ ہلاک ہوا جاتا ہے۔ آپ نے دل کو مضبوط کر کے جناب زینب سے فرمایا" اے بہن! میرے اس چھوٹے بچہ کو مجھے دے دو تاکہ میں اس کو بھی وداع کروں"۔ بہن نے بھائی کے حکم کی فوراً تعمیل کی اور اس بلکتے ہوئے بچہ کو باپ کی گود میں دے دیا۔ امام حسینؑ کی گود میں آنا تھا کہ علی اصغر نے اشارہ سے خدمتِ امام میں عرض کی" اے بابا جان اب مجھے میدان قتال میں لے چلیئے۔

چنانچہ آپ اپنے پارہ جگر کو سینہ سے چمٹائے ہوئے فوجِ اشقیاء کے سامنے تشریف لائے اور مقام بلند پر کھڑے ہو کر علی اصغر کو دونوں ہاتھوں پر اس طرح رکھ لیا کہ بعض کو یہ خیال ہوا کہ امام حسین مجبور کر اپنے اور یزید کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے قرآن مجید لے کر آئے ہیں۔ اور مصحفِ الٰہی کو ہاتھوں پر رکھ کر بلند کیا ہے تاکہ حجت قائم کریں مصحف صامت تو نہیں۔ اس وقت امام حسینؑ کے ہاتھوں پر مصحفِ ناطق کا ایک ورق ضرور کھلا ہوا تھا۔ اس کے بعد آپ نے علی اصغر کو بلند کر کے منہ اس بچہ کا کھول دیا اور پھر ان نام کے مسلمانوں سے سوالِ آب کیا۔ اس پر صاحبانِ اولاد کا دل تو آب آب ہو گیا مگر حرملہ بن کاہل اسدی نے ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ علی اصغر کے ننھے سے گلے میں پیوست ہو گیا۔ اور وہ بچہ مظلوم باپ کے ہاتھوں پر اپنے خون میں لوٹنے

لگا۔ اُس وقت آپ نے جناب زینبؑ کو آواز دی اور فرمایا "اے بہن !
لو علی اصغر بھی سدھارے"۔ پھر آپ نے علی اصغر کے کٹے ہُوئے گلے
کے نیچے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر رکھ دئے۔ اور جب وہ خون سے بھر گئے
تو آپ نے وہ خون آسمان کی طرف پھینک دیا۔ حضرت باقرؑ فرماتے ہیں کہ
"اس خونِ ناحق کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا"۔ اللہ رے صبر و استقلالِ حسینی!
خیال فرمائیں کہ امام حسینؑ پر اُس وقت کیا گذری ہوگی۔ آپ نے فرمایا " یہ مصیبت
بھی مجھ پر آسان ہے اِس لئے کہ خوشنودیِ خدا اسی میں ہے "۔ اس مصیبت
نے حضرت پر پیاس کی شدت کو بدرجہا بڑھا دیا۔ آپ اُسی حالت میں فرس پر
سوار ہو گئے اور فرات کا رُخ کیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؑ اُس وقت تک موجود تھے۔ اور
وہ آپ کے ہمرکاب ہُوئے۔ ابن سعد کی فوج آپ کے مقابلہ کو تیار ہو گئی اور
بنی وارم کے قبیلہ میں سے ایک شخص نے ایک تیر مارا جو آپ کے گلُوئے
مبارک میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کو کھینچ کر پھینک دیا۔ اور اپنے دونوں
ہاتھ زخم کے نیچے پھیلا دئے۔ جب دونوں ہتھیلیاں خون سے بھر گئیں تو آپ
نے وہ خون پھینک دیا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر عرض کیا " بارالہٰا! تو گواہ
ہے کیا کیا ظلم تیرے نبی کے نواسہ پر ہو رہے ہیں۔ پھر ظالموں نے حضرت
عباسؑ کو امام حسینؑ سے جدا کر دیا اور چاروں طرف سے نرغہ میں لے کر قتل

کر ڈالا۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی عباس کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو بے چین ہو گئے۔ اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے۔ شاعر نے اس مصیبت کو اس طرح نظم کیا ہے۔ گریہ کا سب سے زیادہ حقدار وہ جوان ہے۔ جس نے کربلا میں حسین علیہ السّلام کو رُلا دیا۔ؔ وہ جوان حسینؑ بن علیؑ کا بھائی عباس بن علی تھا۔ یعنی ابو الفضل جو از سر تا پا خون میں نہا گیا وہ حسینؑ کا سچا وفادار بھائی تھا جسے عالم کی کوئی چیز حسین کی وفاداری سے باز نہ رکھ سکی اور جس نے باوجود سخت پیاسا ہونے کے حسین کے لئے پانی مہیا کرنے کی جی توڑ کوشش کی یہاں تک کہ اسی میں جان تک دے دی"۔ پھر امام حسین نے مبارزت طلبی کی اور جو بھی بڑھ کر آپ پر حملہ آور ہوتا تھا آپ اُسے بآسانی قتل کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ اثنائے جہاد میں آپ فرماتے جاتے تھے۔ قتل ہو جانا ذلّت اٹھانے سے بدرجہا بہتر ہے اور ذلت گوارا کر لینا ہمیشہ کے لئے جہنم میں جانے سے اولیٰ تر ہے۔

بعض راویوں کا بیان ہے" خدا کی قسم! ہم نے کبھی کسی ایسے شکستہ دل آدمی کو جس کے فرزند اور اہل بیت اور اصحاب اس کی آنکھوں کے

ؔ شاعر کی نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ اور کسی کے لئے نہ روئے تھے۔ اللہ رے غم عباسؑ! (مترجم)

سامنے قتل کر دئے گئے ہوں۔ امام حسینؑ سے زیادہ مستقل مزاج اور قوی دل نہ دیکھا تھا۔ ایسی حالت میں بھی جو بھی یزیدی فوج کے سپاہی حملہ کرتے تھے اور - نہایت دلیری کے ساتھ اپنی تلوار سے حملہ کو رد کرتے تھے اور فوج شام کی صفوں کو اس طرح تہ و بالا کر دیتے تھے جس طرح شیر بھیڑوں یا بکریوں کے گلے میں پہنچ کر انہیں تتر بتر کر دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ تن تنہا کامل تیس ہزار کی فوج پر حملہ کرتے تھے اور اس جمِ غفیر کو آن واحد میں ٹڈیوں کی مثل منتشر کر کے پھر اپنی جگہ واپس آتے تھے اور فرماتے تھے بس کل طاقت خدا ہی کے لئے ہے اور مدد تو اسی کی درکار ہے۔ اسی طرح حضرت برابر دفاع کرتے رہے یہاں تک کہ دشمنانِ دین حسینؑ اور خیام حسینؑ کے درمیان حائل ہو گئے۔ اس وقت آپ نے باآوازِ بلند فرمایا: "اے ابو سفیان کے فدائیو! اگر تمہارا کوئی دین نہیں اور تم کو قیامت کا کچھ خوف بھی نہیں تو کم سے کم دنیا میں جو کچھ بھی بھلائی کا دستور قائم ہے اس کو تو ہاتھ سے نہ دو۔" یہ سن کر شمر بولا "اے فاطمہؑ کے بیٹے! کیا کہتے ہو؟ فرمایا میں یہ کہتا ہوں کہ لڑائی تو میرے اور تمہارے درمیان ہے اور تم مجھ ہی کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ عورتوں نے کچھ قصور نہیں کیا۔ ذرا اپنی فوج کے سرکشوں اور جاہلوں کو حکم دے دو کہ میرے جیتے جی حرم سے تعرض نہ کریں۔" شمر بولا۔ "اے فاطمہؑ کے بیٹے! ایسا ہی ہوگا۔" شمر نے تو اتنا کہا اور باقی اس کے

ساتھی حسینؑ کی اکیلی ذات پر حملہ کرنے لگے۔ آپ بھی ان کے حملوں کو رد کرتے تھے۔ اسی حالت میں آپ پانی کا بھی سوال کرتے جاتے مگر افسوس آپ کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ملا۔ یہاں تک کہ آپ کے جسمِ اطہر پر بہتر زخم لگے۔ پس آپ ٹھہر گئے مگر اب جنگ کی طاقت آپ میں بالکل نہ رہی تھی۔ جونہی آپ نے اپنی تیغ آب دار کو روکا۔ ایک پتھر کسی نے ایسا مارا کہ آپ کی پیشانی مجروح ہوگئی اور خونِ جبینِ مبارک سے بہنے لگا۔ خون کو صاف کرنے کے لئے آپ نے اپنا دامن اٹھایا۔ دامن کا اٹھانا تھا کہ زہر میں بجھا ہوا ایک تیر سہ شعبہ آپ کے قلبِ مبارک میں آکر پیوست ہوگیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔ "اللہ کے نام پر اور اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے رسول اللہ کے دین اور ملت پر میرا خاتمہ ہوگا۔ پھر آپ نے سرِ مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا بارالہا! تو آگاہ رہے کہ یہ لوگ تیرے اس بندہ کو بے گناہ قتل کرتے ہیں جس کے سوائے روئے زمین پر کوئی تیرے نبی کا نواسا نہیں ہے۔" پھر تیر کو پکڑا اور زور کے ساتھ پس پشت سے باہر نکالا۔ تیر کے ساتھ پرنالہ کی طرح خون بہنے لگا۔ کثرت سے خون نکل جانے کے سبب آپ میں طاقت باقی نہ رہی۔ اور کچھ دیر سکوت کے عالم میں کھڑے رہے۔ ایسی حالت میں آپ کے پاس جو شقی آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آتا تھا اس پر خوفِ الٰہی طاری ہوجاتا تھا۔ دل اس کا کانپ جاتا تھا۔ اور اس کو ایسے مظلوم گھائل اور

ناتواں کا سر قلم کرنے کے جُرم میں گرفتار ہونے کا خیال دامن گیر ہو جاتا تھا اس پر بھی قبیلۂ کندہ کا ایک ظالم مالک بن بشر قسی القلب آپ کے قریب آیا اور آپ کے فرق مُبارک پر تلوار کا ایک وار کیا۔ تلوار کلاہِ مبارک کو کاٹتی ہوئی سرِ اطہر میں در آئی اور خون کی دھاریں چھوٹنے لگیں جن کے سبب آپ کی کلاہ خون سے بھری۔

درایت[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت امام حسینؑ میدانِ قتال سے خیام کی طرف روانہ ہوئے۔ اور درِ خیمہ پر آکر جناب زینب سے کپڑے کا ایک ٹکڑا مانگا۔ آپ نے سر کے زخم کو باندھا۔ اس کے بعد ایک ٹوپی طلب کی اور اُس کو زخمی سر پر پہن لیا۔ پھر اس کے بعد عمامہ باندھا۔ بس اتنی مہلت آپ کو ملی۔ زخموں کی بندش کے بعد جونہی میدان میں آپ کی بازگشت ہوئی ملاعنہ فوراً آپ پر ٹوٹ پڑے اور ہر چہار جانب سے آپ کو نرغہ میں لے لیا۔ چچا کو نرغہ میں دیکھ کر امام حسنؑ کا چھوٹا لڑکا عبداللہ جو دامنِ مادر سے کبھی جُدا نہ ہُوا تھا خیمہ سے نکل پڑا۔ اور مقتل کا رُخ کیا۔ دوڑتا ہُوا سیدھا امام حسینؑ کے پاس آیا۔ خیمہ سے نکلتے وقت حضرت زینبؑ نے چاہا، کہ اُس کو روکیں لیکن اُس مہ لقا نے ایک نہ سُنی اور زبردستی اپنے آپ کو چھڑا کر چلا۔ چلتے

[1] از طرف مترجم

وقت یہ کہا۔ خدا کی قسم! میں اپنے چچا کو اکیلا نہ چھوڑوں گا۔ جنگ کے میدان میں اَور تلواروں کی چھاؤں میں چچا بھتیجے کی ملاقات ہوئی ہی تھی کہ بحر بن کعب اور ایک روایت کے مطابق حرملہ بن کاہل اسدی نے امام حسینؑ پر حملہ کا ارادہ کیا عبداللہ بن حسن نے بے رحم حملہ آور سے کہا۔" اے خبیث! افسوس! تو میرے چچا کو قتل کرتا ہے۔" اُس کے سخت دل پر بچہ کے اس کلام کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اور اُس نے امام حسینؑ پر تلوار کا وار کر ہی دیا۔ چچا پر تلوار آتے دیکھ کر عبداللہ بن حسن بڑھے اور اپنے ہاتھ کو سپر بنا دیا۔ تلوار اُس ننھے سے ہاتھ پر پڑی اَور کہنی کے قریب سے بچّہ کے ہاتھ کو کھال تک کاٹ ڈالا۔ کھال کے ذریعہ وہ کٹا ہوا ہاتھ لٹک کر جھُولنے لگا۔ اُس مصیبت کیوقت مظلوم بھتیجے نے مظلوم چچا سے فریاد کی اَور کہا اے چچا جان! خبر لیجیے! یہ دیکھ کر امام حسینؑ کا دل پانی پانی ہو گیا۔ اپنے پارۂ جگر کو اُٹھا کر اپنے سینہ سے چمٹا لیا اور فرمایا۔" اے بیٹا! تم سے میرے بھائی کی نشانی باقی تھی۔ اے میری جان! بڑی مصیبت تم پر پڑی۔ صبر کرو۔ اسی میں تمہارے لئے عافیت ہے۔

امام عالی مقام کا کلام ختم نہ ہوا تھا کہ حرملہ نے تاک کر اُس بچہ پر ایک تیر مارا۔ اَور اس صغیر سن معصوم بھتیجے کو مظلوم چچا کی گود میں شہید کر دیا۔ اس کے بعد شمر نے سیدانیوں کے خیمہ پر حملہ کیا اور خیمہ کی چادر میں نیزہ بھونک کر اپنی فوج شرارت موج کو پکارا اور کہا۔" ارے! آگ لاؤ تاکہ میں حسینؑ کے اہل بیت

کو خیمہ ہی میں جلادوں۔" یہ سن کر امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے ذی الجوشن کے بیٹے! تو میرے اہل بیت کو جلانے کے لئے آگ منگاتا ہے تو جہنم واصل ہو۔" یہ سن کر فوج سے شبث بن ربعی آگے بڑھا اور اس نے شمر کو جھڑک دیا۔ شبث کی بات پر شمر کو بھی شرم آگئی اور وہ اُلٹے پیر لوٹ گیا۔

اُس وقت امام حسینؑ نے مرنے پر کمر باندھ لی اور جناب زینبؑ سے فرمایا۔" اے بہن! کوئی ایسا پُرانا لباس مجھے لادو جسے دیکھ کر کسی کا بھی دل نہ للچائے تاکہ میں اُسے اپنے اِن کپڑوں کے نیچے پہن لوں۔ شاید بعد شہادت میری نعش عُریانی سے بچ جائے۔" یہ سُن کر بہن بھائی کے لئے ایک نیکر[۱] لے آئیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔" اے بہن! یہ لباس تو اُن لوگوں کا ہے جن کی آخرت میں کوئی وجاہت نہ ہو۔" پھر آپ نے ایک بوسیدہ کپڑا اٹھا لیا تاکہ قتل ہو جانے اور لباس چھن جانے کے بعد ستر پوشی کا کام دے۔ اور جناب زینبؑ یمنی چادر کا زیر جامہ لائیں تو اُس کو آپ نے اُوپر سے پہن لیا۔ کہنہ کپڑوں کو چاک کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بعد آپ کی شہادت کے اعدا کے نزدیک

---

[۱] یہ موجودہ فیشن کا نیکر ہے جس کی کیفیت ۱۳۰۰ برس پہلے امام کے علم میں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ نے سروال (یعنی پاجامہ) کو بوسیدہ ہوجانے کے سبب گھٹنوں تک نیچے سے پھاڑ دیا جو نیکر کے مشابہ ہوگیا تھا۔ (مترجم)

کسی مصرف کے نظر نہ آئیں اور طمع اور حرص کا ہاتھ انہیں بھی چھین لینے کے خیال سے بدنِ اقدس کو عُریاں کرنے کے لیئے نہ بڑھے۔ جس وقت آپ کا بدن تیروں کی کثرت سے "قنفذ" کی مانند خار دار ہو گیا تو صالح بن وہب مزنی نے آپ کے کوُلے پر ایک نیزہ مارا۔ اُس وقت آپ گھوڑے پر نہ سنبھل سکے داہنے رخسار کے بل زمین پر گر پڑے۔ لیکن گرنے کے بعد پھر سنبھل کر کھڑے ہو گئے۔ جب جناب زینب نے اپنے مظلوم بھائی کی اس مصیبت کو دیکھا تو بے اختیار خیمہ سے باہر نکل پڑیں اور فریاد کرتی ہوئی مقتل کی طرف چلیں "اے میرے بھائی! اے میرے آقا! اے اہل بیت کی نشانی آج آسمان زمین پر کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا اور پہاڑ آپس میں ٹکرا کر کیوں نہیں زمین کے برابر ہو جاتے"۔ اُس وقت شمر نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور کہا "اے بہادرو! تم کھڑے کیا کرتے ہو! اس مرد[1] کا کام تمام کیوں نہیں کرتے؟ یہ سنتے ہی ملاعنہ ہر سمت سے مظلومِ کربلا پر ٹوٹ پڑے۔ ضرعہ بن شریک نے آپ کے شانہ پر بائیں جانب سے ایک وار کیا۔ امام حسینؑ نے باوجود اس ضعف کے اُس وار کا ایسا جواب دیا کہ زرعہ دم بھر میں زمین پر لوٹتا نظر آیا مگر ایک دوسرے ملعون نے فوراً ہی آپ کے چہرہ کے مقابل کتفِ مبارک پر تلوار ماری۔ جس

---

[1] مراد حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں

کے صدمہ سے آپ منہ کے بل زمین پر گر پڑے اور بالکل مجبور ہو گئے۔ باوجود اس مجبوری کے ہمت کر کے بار بار اُٹھتے تھے لیکن زخموں کی کثرت اور ضعف کی شدت کی وجہ سے پھر لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑتے تھے۔ مظلوم کی اس بیکسی پر بھی سنان بن انس نخعی کو رحم نہ آیا اور اُس نے امام حسینؑ کے گلوئے مبارک کی ہڈی میں نیزہ بھونکا۔ ہڈی کے اندر نیزہ نے چونکہ آسانی سے راستہ نہ پایا۔ اس لئے ظالم نے نیزہ اُلٹا کھینچ لیا۔ اور حسین مظلوم کے سینہ کی ہڈیوں میں وہ نیزہ بھونک دیا اور پھر فوراً ہی ایک تیر بھی حلق مبارک پر مارا۔ تیر کھاتے ہی امام حسینؑ گر پڑے۔ پھر زمین پر اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اُس تیر کو جو حلق میں گڑھ گیا تھا۔ کھینچ کر نکالا۔ زخمی گلے کے آگے پھر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دئے۔ جب وہ خون سے بھر گئے تو آپ نے اُنہیں اپنے سر اور ریش پر مل لیا فرماتے تھے۔ اسی طرح میں روزِ قیامت خدا سے فریاد کروں گا۔ اُس وقت عمر سعد نے ایک سوار سے جو اس کی دائیں جانب کھڑا تھا کہا "تیرا ناس ہو جائے! مرد آدمی! گھوڑے سے اُتر کر حسینؑ کا کام تمام کیوں نہیں کر دیتا"۔ اُسؑ سوار پر تو خوفِ الٰہی طاری ہو چکا تھا۔ عمر سعد کی اس گفتگو سے بھی وہ اس فعلِ شنیع پر آمادہ نہ ہوا۔ مگر خولی

لہ یہ مقتل کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے کہ اس سوار کے جواب کا کوئی ذکر نہیں۔ (قول مترجم)

لعین حسینؑ مظلوم کی طرف جھپٹا تاکہ آپ کا سرِ اقدس کاٹ ڈالے لیکن قریب پہنچتے ہی خوفِ خدا سے کانپ گیا۔ یہ دیکھ کر بے رحم سنان گھوڑے سے اُترا اور قریب آکر مظلومِ کربلا کے حلقِ مبارک پر تلوار ماری اور آپ کے سرِ اقدس کو کاٹنے لگا۔ سرِ اقدس کو جسمِ اطہر سے جدا کرتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔ خدا کی قسم! میں جانتا ہوں۔ اے حسینؑ آپ رسول اللہ کے نواسہ ہیں اور پدری اور مادری نسبت سے بہترین خلق ہیں لیکن پھر بھی میں تو ضرور آپ کا سر کاٹ کر رہوں گا۔ آخر اُس نے آپ کو ذبح کر ہی ڈالا۔ اور سرِ اقدس کو جُدا کر دیا۔ شاعر کہتا ہے کہ جس وقت سنان کی ہتھیلیاں مظلوم اور بے کس حسینؑ کے رشتۂ حیات کو قطع کر رہی تھیں۔ اُس وقت کوئی مصیبت ایسی باقی نہ رہی تھی جو آپ پر نہ گذر گئی ہو۔

صاحب معالم الدین ابو طاہر محمد بن حسن البرسی۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کی اس ہولناک مُصیبت کو دیکھ کر ساکنانِ ملاء اعلیٰ بے تاب ہو گئے اور نہایت الحاح و زاری سے درگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے "بارِ الہا! تیرا منتخب محبوب جو تیرے خاص حبیب کا پارۂ جگر اور تیرے رسولؐ کی بیٹی کا بیٹا ہے۔ اُس وقت بے رحم قاتل کے خنجر کے نیچے تڑپ رہا ہے۔ بارِ الہا! ہم سے یہ حالت حسینؑ کی دیکھی نہیں جاتی" اُس وقت قائم آلِ محمدؐ کا ہیکل اُن کے سامنے قائم ہو گیا۔ اور مصدرِ احدیت حضرت عزت کی جانب سے خطاب ہُوا۔ اے میرے فرشتو! دیکھو! ہم اپنے

حبیب کے اس آخری فرزند محمد مہدی کے ذریعہ سے مظلوم حسین کا انتقام لیں گے۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ اُس وقت آندھی کا ایک سخت جھکڑ چلا جس سے تمام زمین اور آسمان پر اندھیرا چھا گیا۔ ایسی سخت سیاہی تھی کہ ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ غضبِ الٰہی نازل ہو گیا تھا۔ جب تک طوفان کا یہ عالم رہا۔ سب جاں کے ناں اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اجالا ہوا اور مطلع صاف ہو گیا۔ ہلال بن نافع کہتے ہیں کہ "میں عمر سعد کی جماعت کے ساتھ تھا۔ ناگاہ ایک منادی نے ندا کی۔ اے امیر! مبارک ہو اب تو شمر نے امام حسینؑ کو قتل کر دیا۔"

ہلال بن نافع کا بیان ہے کہ یہ سُن کر میں نکلا اور بڑھتا ہوا افواجِ شام کی صفوں کے درمیان آیا اور امام حسینؑ کی قتل گاہ تک پہنچ کر آپ کے برابر کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ اپنے خون میں لوٹ رہے ہیں اور خاک پر تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے ہیں۔ اور آپ کے چہرہ منور سے ایک نور ساطع ہے خدا کی قسم! میں نے کبھی کسی ایسے مقتول کو نہیں دیکھا جو خاک و خون میں غلطاں بھی ہوا اور اس کا چہرہ اس قدر درخشاں ہو۔ مجھے تو آپ کے رُخِ انور کا نور اور آپ کے جسم اقدس کی خوبصورتی اس قدر دلفریب معلوم ہوئی کہ میں آپ کے قتل کی تکلیفات کو بھول گیا۔ اور آپ کے اس دلربا جمال سے حیرت میں ڈوب گیا اسی حالت میں امام حسینؑ نے پانی مانگا اور میں نے جواب میں ایک شخص کو

اپنے کانوں سے یہ کہتے ہوئے سنا خدا کی قسم! اے حسینؑ! تم پانی کے ایک قطرہ سے بھی اپنی خشک زبان تر کرنے نہ پاؤ گے۔ اب تو تم جہنم میں پہنچتے ہی واسلے ہو۔ اور جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہی تمہیں پینا پڑے گا۔ بلال کہتے ہیں کہ صاحب حلم وفا مالک صدق و صفا۔ چشم بتول عذرا۔ خامس آل عبا۔ نے اس جگر فگار گفتار کا جو کچھ جواب دیا وہ بھی میں نے سنا۔ آپ نے فرمایا۔ ارے! کیا میں جہنم میں جھونکا جاؤں گا؟ کیا مجھے جہنم کا کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا؟ ہرگز نہیں! خدا کی قسم! ہرگز نہیں۔ میں اپنے نانا جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں پہنچوں گا۔ اور آپ ہی کے ساتھ آپ ہی کے مقام خاص میں صدق و صفا کی جگہ۔ قادر مطلق کے سرادق قدس کے نزدیک رہوں گا اور میں تو ایسے آب خوشگوار سے سیراب ہوں گا جس میں نہ بو ہوگی نہ باس نہ حدت ہوگی اور نہ حرارت۔ جناب باری میں اس وقت میں تمہارے مظالم کی شکایت کروں گا اور پیش عرش الٰہی فریاد کروں گا۔ بلال کہتے ہیں کہ مظلوم کربلا کا یہ کلام سنتے ہی وہ سب طیش میں آ گئے گویا کہ ان میں سے کسی ایک کی بھی سرشت میں مطلق رحم نہ تھا۔ سب تہیہ کر کے امام حسینؑ پر امنڈ آئے اور آپ کو کلام ختم کرنے کی مہلت تک نہ دی سر مبارک قطع کر ڈالا۔ مجھے ان کی اس بے رحمی پر سخت تعجب ہوا۔ اور میں نے کہا۔ اسی کی قسم جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میں تو کبھی تمہارے کسی کام میں شریک نہ ہوں گا۔ بلال کا بیان ہے کہ سر مبارک جدا کرنے کے بعد بھی انہیں رحم نہ آیا اور

اور نعش حسینؑ برہنہ کرنے لگے۔ جسد اطہر پر سے قمیص اسحٰق بن حویۃ الحضرمی نے اُتار لی۔ مظلومؑ کی اس قمیص میں ایک سو سے زیادہ تیروں نیزوں اور تلواروں کے نشان پائے گئے۔ حضرت صادقؑ فرماتے ہیں کہ آپ کے جسم اقدس پر تینتیس تو نیزوں کے زخم تھے اور چونتیس تلواروں کے۔ بحر بن کعب تمیمی نے بڑھ کر نعش حسینؑ پر سے زیر جامہ بھی اُتار لیا۔ آپ کا عمامہ ایک روایت کے مطابق اخنس[2] بن مرثد بن علقمہ الحضرمی لے گیا۔ اور بنا بر دوسری روایت کے جابر بن یزید الاودی۔ کفش پا آپ کی اسود بن خالد نے پاہائے مُبارک سے کھینچ لی اور بجدل[3] بن سلیب نے انگشتری کے لئے انگشت مبارک کو قطع کر ڈالا۔ اور اس ریشمین خز کی چادر کو جو زرہ کے اندر بدن اطہر پر لپٹی تھی۔ سقعث بن قیس کھول کر لے گیا۔ آپ کی قیمتی زرہ عمر سعد اتار لے گیا۔ اور آپ کی تلوار ایک روایت کے مطابق جمیع بن الخلق الاودی نے لے لی۔ اور بنا بر دوسری روایت کے بنی تمیم کے قبیلہ سے ایک شخص اسود بن حنظلہ نامی نے ہتھیا لی اور ابن سعد کے بیٹے سے منقول ہے کہ مظلومؑ کربلا کی شمشیر کو فلافس النحشلی لے گیا۔ اور

[1] اس حرکت کی پاداش میں اس شخص کو گنٹھیا کی بیماری ہو گئی

[2] جونہی اس شخص نے عمامہ مقدس کو سر نجس پر رکھا پاگل ہو گیا۔

[3] مختار نے اس کے ہاتھوں اور پیروں کو کٹوا دیا اور لوٹ لوٹ کر مر گیا۔

محمد بن ذکریا نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ہی شمشیر بعد میں جبیب بن بدیل کے نواسہ کے پاس پہنچی اور اس کے قبضہ میں دیکھی گئی۔ لیکن یہ تلوار جو اس طرح بعد شہادت جسدِ اطہر پر سے لوٹی گئی ذوالفقار نہ تھی۔ وہ تو آج مانند اور تبرکات نبوت و امامت کے قائم آلِ محمدؐ کے پاس موجود ہے۔ اور اس کی تصدیق بہت سی روایتوں سے ہوتی ہے۔

جس وقت نعشِ حسینؑ میدانِ کربلا میں جلتی ریت پر برہنہ کی جارہی تھی اور جلوسِ حسینی لُٹا جارہا تھا۔ اس وقت خیامِ امام میں سے ایک لڑکی نکل کر میدان میں آئی۔ ایک شامی نے اُس سے کہا۔ اے لڑکی! تیرے والی و وارث حسینؑ تو قتل کر دیے گئے۔ یہ وہ صاحبزادی خود بیان کرتی ہیں کہ یہ سُن کر میں چیختی چلاتی روتی پیٹتی جلدی سے اپنی پھوپھی اماں کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میری یہ حالت دیکھ کر سب عورتیں بھی کھڑی ہوگئیں۔ اور رو رو کر بین کرنے لگیں۔ اُن کے وارث اور مصیبت زدہ اہل بیت کو شام کے مسلمانوں نے قتلِ حسینؑ کی جو تعزیت دی وہ یہ تھی کہ ایک جماعت حرم خامس آلِ عبا کی لوٹ میں مشغول ہوگئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بے کس عورتوں کے سروں سے چادر تک چھین لیں۔ مجبور ہو کر رسولؐ کی نواسیاں۔ علی کی بیٹیاں فریاد کرتی ہوئی خیموں سے باہر نکل پڑیں اور اپنے وارثوں کے بچھڑ جانے اور مال جانے کے قتل ہو جانے پر ڈاڑھیں مار مار کر روتی تھیں۔

قبیلۂ بکر بن وائل کی ایک عورت کا واقعہ جو اپنے شوہر کے ساتھ عمر سعد کے کیمپ میں موجود تھی۔ حمید بن مسلم یوں بیان کرتے ہیں کہ جب اُس زن نیک ظن نے شامیوں کی جماعت کو خیام اہل بیت میں گھستے ہوئے اور ناموس حسینی کو لٹتے ہوئے دیکھا تو تلوار اٹھالی اور شمشیر بکف خیموں کی طرف چلی۔ چلتے ہوئے اپنے قبیلہ سے مخاطب ہو کر یہ کہا اے بکر والو! کیا غضب ہے۔ رسول اللہ کی بیٹیاں لٹی جا رہی ہیں اور تم دیکھ رہے ہو! یاد رکھو! حکومت تو اللہ ہی کی ہے۔ اللہ کے دشمنوں کی رعایت نہ کرو۔ اور رسول کی بیٹیوں کو بچانے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ دیکھ کر اس کے شوہر نے جھٹ اُسے پکڑ لیا۔ اور اپنے کیمپ کی طرف اُسے اُلٹے پیروں لوٹا دیا۔ افسوس دختران رسول اور نیمیان حسینؑ کی مدد کو کوئی بھی نہ پہنچا۔ حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ بعد غارتگری اور لوٹ کھسوٹ کے خیام اہل بیت میں آگ لگا دی گئی۔ اور آگ کے شعلے خیموں میں بلند ہونے لگے تو مخدرات عصمت و طہارت باہر نکل پڑیں۔ حالت اُن کی اُس وقت یہ تھی کہ سب کی سب برہنہ سر اور برہنہ پا تھیں۔ وہ بیکس عورتیں اپنی حالت پر رو رہی تھیں۔ بعد اس کے اُن مصیبت زدہ زادیوں کو نہایت ذلت و خواری کے ساتھ گرفتار کیا گیا اور قیدی بنا کر کربلا سے لے چلے۔ چلتے وقت اُن مقدس قیدیوں نے اشقیاء شام سے التجا کی۔ تمہیں اے شامیو! خدا کا واسطہ ہمیں مقتل حسینؑ پر سے لے چلو۔ مقتل میں پہنچتے ہی جب اُن بے وارث عورتوں

کی نظر اپنے مقتول وارثوں پر پڑی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے اور سر پیٹنے لگیں۔ حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ وہ مصیبت کا ہولناک منظر میں نہیں بھولوں گا۔ جس وقت علی اور فاطمہؑ کی بیٹی زینب خاتون نے اپنے مظلوم بھائی کی نعش کو دیکھا اور ٹوٹے ہوئے دل سے سرد آہیں بھر بھر کر جگر خراش بین کرنے لگیں اور دردناک آواز سے کہا: اے اللہ کے رسول! اے میرے نانا محمد مصطفیٰؐ! آپ کا مرتبہ تو یہ کہ آسمان کے فرشتے آپ پر درود و سلام بھیجیں اور آپ کے فرزند حسینؑ کی یہ حالت کہ آپ کے کلمہ گویوں نے اسے خون میں نہلا دیا۔ اس کے بدن نازنین کو ٹکڑے کر دیا اور اس کے ہر ہر عضو کو توڑ دیا۔ اے نانا! دیکھیے تو آج آپ کی بیٹیاں قیدی بنائی گئی ہیں۔ اے عالم کے فریاد رس خدا! اس کی فریاد تو میں اس سے کرتی ہوں اور تیرے بعد تیرے رسول محمد مصطفیٰ اور تیرے ولی علی مرتضیٰ اور تیری کنیز خاص فاطمہ زہراء سے اور سید الشہداء حضرت حمزہؓ سے اے نانا جان! حسینؑ کو تو آج باغیوں نے قتل کر دیا اور ان کا جسدِ اطہر کربلا کی جلتی ریت پر پڑا ہے۔ جنگل کی گرم ہواؤں سے آہ! وہ بدنِ نازنین اب کملا گیا۔ ہائے میرے بھائی حسین! افسوس! صد افسوس! کن آنکھوں سے یہ دکھیا بہن آپ کی یہ حالت دیکھے۔ آخر میں جناب زینبؑ نے فوج شام کے ان بزرگوں سے خطاب کیا جنہیں رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا اور بآواز بلند فرمایا: اے رسول اللہ کے صحابیو! آج گویا محمد مصطفیٰ کو بھی مسلمانوں

نے شہید کر دیا۔ ارے یہ اہل بیت کے لٹے ہوئے قیدی رسول اللہ ہی کی تو ذریت ہیں۔ جنہیں تم کشاں کشاں لئے چلے جاتے ہو۔ ایک روایت کے مطابق جناب زینب خاتون صلوات اللہ وسلامہ علیہا کے بین یہ تھے " اے نانا جان -! اے اللہ کے رسول! دیکھئے تو آپ کی یہ بیٹیاں قیدی بنائی گئی ہیں۔ اور آپ کی اولاد قتل کر دی گئی۔ اور ان کے اجسام نازنین جنگل کی گرم ہوا سے کملا رہے ہیں۔ اے نانا! ذرا کربلا کے مقتل میں آئیے اور اپنے پیارے حسینؑ کی حالت دیکھئے۔ وہ حسینؑ جس کو آپ نے اپنے لعاب دہن سے پرورش کیا۔ اور جسے کل تک آپ اپنے مقدس سینہ پر سلاتے تھے۔ آج اس نشیب میں ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اُس کا سر انور پس گردن سے کاٹا گیا۔ اُس کا عمامہ اور اُس کی ردا لوٹ لی گئی۔ میرے ماں باپ اس مظلوم حسین پر فدا ہو جائیں جس کا لشکر آج پیر کے روز کربلا کے میدان میں ہلاک کر دیا گیا اور جس کے خیمہ کی طنابیں کاٹ ڈالی گئیں۔ میری جان اُس حسینؑ پر سے قربان ہو جو نہ تو اب مسافر ہے جس سے لوٹ کر آنے کی اُمید ہو سکے اور نہ بیمار ہی ہے جس کی صحت یابی کی تمنا کی جائے۔ میری جان اور میرے ماں باپ کی جان اُس حسینؑ پر سے فدا ہو جائے جس پر مرتے دم تک مصیبتیں ہی پڑتی رہیں۔ وہ حسین جو تین روز کا بھوکا پیاسا شہید کیا گیا اور مرتے دم تک جسے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ملا۔ وہ حسینؑ جس کی ریش مبارک سے خون کے قطرے ٹپکتے تھے وہ حسینؑ جس کا نانا خالق و مالک زمین و آسمان کا سچا رسول

تھا۔ وہ حسینؑ جو نبی ہادی کا لختِ جگر تھا۔ پھر جناب زینبؑ نے اپنے ایک ایک بزرگ کو نام بنام اس طرح یاد کیا۔ اے نانا محمد مصطفٰےؐ! اے نانی خدیجۃ الکبریٰ اے بابا علی مرتضٰےؑ اے مادر گرامی فاطمہ زہراؑ! اے بھائی حسن مجتبٰےؑ! کاش میں آج پیوند خاک ہو گئی ہوتی اور مظلوم کی یہ حالت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی۔ اے بابا! آپ کی خاطر سے دنیا کا آفتاب لٹا دیا گیا تھا۔ آج جب آپ کے اہلبیت سے شمس امامت غروب ہو گیا تو افسوس! میرے لئے اس کی رجعت ممکن نہیں ہے"

حمید بن مسلم کہتے ہیں خدا کی قسم! جناب زینبؑ کی اس دل سوز فریاد پر دوستوں کا کیا ذکر ہے دشمن بھی رو دیے۔ پھر جناب سکینہ اپنے پدر بزرگوار کی نعش سے لپٹ گئیں۔ اور رو رو کر فریاد کرنے لگیں۔ بیٹی کو مقتول باپ سے ملے ہوئے کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ چند عرب اکٹھے ہو کر بڑھے اور سکینہ کو سختی کے ساتھ کھینچ کر نعشِ حسینؑ سے جدا کر دیا۔ پھر عمر سعد نے اپنے ساتھیوں کو ندا دی اور کہا "تم میں سے کون کون حسینؑ کی نعش پر گھوڑے دوڑانے کے لئے تیار ہے۔" چنانچہ فوجِ یزیدی سے دس سوار تیار ہو کر نکلے۔ اُن میں سے ایک تو اسحٰق بن حویہ الحضرمی تھا جس نے امام حسینؑ کی قمیص چھین لی تھی اور دوسرا اخنس بن مرثد تھا۔ اور تیسرا حکیم بن طفیل سنبسی تھا اور چوتھا عمرو بن صبیح صیداوی تھا اور پانچواں رجاء بن منقذ العبدی تھا۔ اور چھٹا سالم بن خثیمۃ الجعفی تھا اور ساتواں صالح بن الوہب الجعفی تھا۔ اور آٹھواں واخط بن خانم تھا اور نواں ہانی ثبیث الحضرمی تھا۔ اور دسواں اسد

بن مالک تھا۔ اِن دسوں نے اپنے اپنے گھوڑے نعش مبارک امام حسینؑ پر دوڑا دیئے۔ جسدِ اطہر اس درجہ پامال سمِ اسپاں ہوا کہ آپ کی پشت مبارک اور سینۂ اقدس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں۔ اس کے بعد دسوں سوار ابن زیاد کے پاس پہنچے اور ان میں سے ایک سوار اُسید بن مالک نامی نے اِترا کر کہا: "اے امیر! ہم نے تیرے حکم کی تعمیل کی۔ پہلے تو تیز رفتار گھوڑوں کی ٹاپوں سے نہایت سختی کے ساتھ فرزندِ رسول الثقلین امام حسینؑ کی پشتِ مبارک کو کچل ڈالا اور اُس کے بعد آپ کے سینۂ اقدس کو پامال سمِ اسپاں کیا" یہ سن کر ابن زیاد بولا "تم کون لوگ ہو؟" اُنہوں نے جواب دیا "ارے! ہم ہی تو وہ سوار ہیں جنہوں نے اپنے گھوڑے پشتِ حسینؑ پر دوڑائے۔ نعشِ حسینؑ کو اتنا روندا کہ آپ کے سینۂ اقدس کی ہڈیوں کو گویا پیس ڈالا" اُس وقت ابن زیاد نے حکم دیا "ان سواروں کو کچھ انعام دے دیا جائے" ابو عمر اور زاہد کا یہ بیان ہے کہ ہم نے جب ان دسوں کو غور سے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ وہ سب کے سب اولادِ زنا تھے۔ یہ سب آخر میں مختار کے ہتھے چڑھ گئے۔ اُس نے ان کو لوہے کی زنجیروں سے جکڑ کر ان کے بدنوں پر زندگی ہی میں گھوڑے دوڑا دیئے اور اس طرح اپنی سزا کو پہنچے۔

ابن ریاح سے روایت ہے کہ میں ایک نابینا آدمی سے ملا جو اپنی بصارت کے زمانہ میں واقعہ کربلا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ نابینائی کا سبب اُس سے دریافت کیا گیا تو اُس نے کہا کہ میں اُن دس آدمیوں میں سے ایک تھا جو نعشِ

مظلوم کی پائمالی کے لئے تیار ہوئے تھے۔ جب نعش مبارک پائمال ہو چکی تو میں گھر واپس چلا آیا۔ عشاء کی نماز پڑھی اور سو گیا۔ خواب میں ایک شخص کو دیکھا کہتا ہے "تجھے رسول اللہ بلاتے ہیں کھڑا ہوا اور ان کی خدمت میں چل"۔ میں نے کہا "مجھے رسول اللہ کیوں بلانے لگے"۔ اس نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ اور کھینچتا ہوا رسول اللہ کی خدمت میں لے گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ آپ ایک جنگل میں تشریف فرما ہیں۔ دونوں آستینیں آپ کی الٹی ہوئی ہیں اور اپنے دستِ حق پرست میں ایک حربہ لئے ہوئے ہیں۔ اور ایک فرشتہ آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں آگ کی ایک تلوار ہے جس سے میرے نو ساتھیوں کو مار رہا ہے۔ جب بھی وہ فرشتہ اُن پر وار کرتا ہے تو ان کے بدنوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں یہ دیکھ کر میں رسول اللہ کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میرا اسلام قبول ہو"۔ لیکن آپ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ آپ دیر تک بالکل خاموش رہے۔ اس کے بعد سر اٹھایا اور غضب ناک ہو کر فرمایا اے دشمنِ خدا! تو نے میری بے حرمتی کی اور میری عترت کو قتل کر ڈالا اور میرے حق کے بارے میں خدا سے بھی خوف نہ کیا۔ اور کیا کیا ظلم تو نے میرے اہل بیت پر ڈھائے"۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے تو امام حسینؑ پر نہ کوئی ضرب لگائی نہ کوئی نیزہ مارا۔ اور نہ اُن پر کوئی تیر پھینکا۔ اور نہ امام حسینؑ کی نعش مبارک پہ گھوڑا ہی دوڑایا"۔ فرمایا "سچ کہتا ہے لیکن تو ظالموں کے ساتھ متفق تھا۔ اچھا

میرے قریب تو آ۔" جب میں حضرت کے قریب پہنچا تو یکایک مجھے خون سے بھرا ہوا ایک طشت نظر پڑا۔ اُس خون کی طرف اشارہ کرکے آپ نے فرمایا: "یہ میرے فرزند حسین کا خون ہے۔" پھر اُسی خون میں سے آپ نے ذرا سا میری آنکھوں میں لگا دیا۔ اُسی وقت میری آنکھ کھل گئی اور بینائی آنکھوں کی جب ہی سے جاتی رہی۔"

ایک روایت مرفوعاً جناب صادقؑ سے یوں منقول ہے کہ روزِ قیامت خاتونِ محشر کے لئے ایک نُورانی چتر لگایا جائے گا۔ جس کے نیچے آپ جلوہ افروز ہوں گی۔ پھر جناب امام حسین اپنی مادرِ گرامی کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اس طرح کہ سر بریدہ آپ کا آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ جس وقت جناب سیّدہ اپنے لختِ جگر کو اس ہیئت سے آتا دیکھیں گی تو ایک چیخ مار کر رونے لگیں گی پھر تو اضطراب کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی ملکِ مقرب اور نبیؐ مرسل تک ایسا باقی نہ رہے گا جس کا دل اس خوفی اور ہولناک منظر سے پانی پانی نہ ہو جائے اور جس کی آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد امام حسینؑ کے پیکرِ شریف کو جنابِ معصومہ کی تسلّی کے لئے بہترین صورت میں جلوہ گر کیا جائے گا۔ اور پیکرِ بے سر اپنے قاتلوں سے برسرِ پیکار ہوگا پھر خدائے تعالےٰ فاطمہؑ کے روبرو قاتلانِ حسین اور معاونینِ قاتلان اور شرکاءِ قتل کو جمع کرے گا۔ جنابِ رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ پہلے تو میں ان سب کو ایک ایک کرکے قتل کر دوں گا۔ بارِ دگر

علی انہیں قتل کریں گے۔ پھر وہ زندہ کئے جائیں گے اور آخر میں حسینؑ خود انہیں قتل کرے گا۔ اُس وقت ہمارا کلیجہ ٹھنڈا اور غم دُور ہو گا۔ پھر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا پروردگار عالم ہمارے دوستوں پہ رحم کرے! ہمارے دوست ہی خدا کی قسم مومن ہیں۔ خدا شاہد ہے وہ ہی ہماری مصیبتوں کے ذکر سے جی بھر کے روتے ہیں۔ اس گریہ کی بدولت ان کا مرتبہ اُن مجاہدین کا سا ہو گا جنہوں نے ہمارے ساتھ خدا کی راہ میں یہ مصیبتیں سہیں۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا خاتون محشر عورتوں کی ایک جماعت کے ساتھ عرصۂ محشر میں آئیں گی رب العزت کی جانب سے خطاب ہو گا " اے دخترِ رسول! آپ جنت میں تشریف لے جائیے " آپ جواب دیں گی۔ میں جنت میں داخل نہ ہوں گی۔ جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میرے بعد فرزند پر کیا کیا ظلم و جفا ہوئی۔ اُس وقت منبع جلالات سے آواز آئے گی " اچھا! اے فاطمہؑ! میدانِ حشر کے وسط میں غور سے دیکھو" یہ سننے کے بعد جب آپ نظر ڈالیں گی تو دیکھیں گی کہ امام حسینؑ کھڑے ہیں۔ کھڑے تو ہیں مگر جسد مبارک پر سر نہیں۔ یہ دیکھ کر آپ سوزش اور غم کے وفور سے ایک چیخ ماریں گی۔ آپ کی چیخ سے عرصۂ محشر میں ملائکہ تک چیخیں مارنے لگیں گے۔" اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ یُوں بین کریں گی " اے میرے پیارے بیٹے حسین! اے میری جان! اے میوۂ دل! اے مظلوم! معصومہ کی اُس

فریاد پر قدرت کی جانب سے غیظ و غضب کے آثار نمایاں ہو جائیں گے اور اُس آگ کو جس کا نام ہب ہب ہے اور جو ہزار سال سے برابر روشن ہے اور حدت کے سبب سیاہ پڑ گئی ہو گی جس کے اندر نہ کوئی راحت داخل ہو سکے اور نہ جس میں سے غم کبھی باہر آسکے گا۔ خدا کا حکم ہو گا "اے آگ! تو قاتلانِ حسین کو نگل جا" پس وہ نگل جائے گی۔ جب اُس کے بیچ میں پہنچیں گے تو اُس وقت بُری حالت ہو گی اور وہ اس جگہ پس جائیں گے اور چیخیں گے اور فریاد کریں گے اور آگ کے شعلے بلند ہوں گے۔ اس وقت وہ اپنی لڑکھڑاتی ہوئی آواز سے درگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے "بارالٰہا! ہم پر تو نے بت پرستوں سے پہلے ہی آگ کو کیوں مسلّط کر دیا؟ جواب ملے گا کہ علم و واقفیت والا جاہل اور ناداں کے برابر نہیں ہو سکتا۔ [1]

[1] صاحب مقتل لہوف فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں کو ابن بابویہ نے کتاب عقاب الاعمال میں نقل کیا ہے۔

تیسرا باب اور تتمہ

اس میں ان واقعات کا بیان ہے جو بعد شہادت واقع ہوئے

روز عاشورہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد عمر سعد نے آپ کے سر مبارک کو خولی بن یزید الاصبحی اور حمید بن مسلم الازدی کے ہمراہ ابن زیاد کی طرف روانہ کیا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ باقی شہداء کے سر کاٹے جائیں۔ چنانچہ شہیدوں کی نعشوں سے سر جدا کئے گئے اور اُن سروں کو شمر ذی الجوشن اور قیس بن اشعث اور عمر بن الحجاج کے ہمراہ بھیجا۔

ان سب کی روانگی کے بعد ابن سعد نے خود کربلا میں قیام کیا اور عاشور کی شام سے گیارہویں کے زوال تک رہیں رہا۔ گیارہویں کو بعد زوال کوچ کی تیاری کی۔ اور زنانِ حرم محترم کو مع یتیمانِ حسینؑ ایسے اونٹوں پر سوار کیا جن پر نہ عماریاں تھیں اور نہ ہودج۔ ان اونٹوں کی پیٹھ پر صرف وہ ٹاٹ تھے جو پالانِ چوبی کے نیچے جانور کے آرام کے لئے ڈالے جاتے ہیں۔ تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ اور رسول زادیوں کے سر کھلے ہوئے تھے اور چہرے بے نقاب تھے۔ یہ شاہزادیاں

رسول اللہ کی وہ امانتیں تھیں جن کو آپ نے اُمّت کے سپرد کیا تھا۔ ان کو اعدا مثل ترک و روم کے نہایت سختی اور درشتی کے ساتھ کھینچے لئے جاتے تھے شاعر کہتا ہے۔

"سخت تعجب ہے کہ رسول ہاشمی پر دُرود بھیجا جائے اور اُن کی اولاد سے جنگ کی جائے اور اُن کو قتل کیا جائے"

شہدائے کربلا کے کُل اٹھتر سر تھے ان سروں کو مسلمانوں کے مختلف قبیلوں نے ابن زیاد اور یزید کے دربار میں پیش کرکے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے آپس میں تقسیم کر لیا۔ چنانچہ بنی کندہ مع اپنے سردار قیس بن اشعث کے تیرہ سر لائے۔ اور بنی تمیم سترہ سر لائے اور بنی اسد سولہ سر لائے بنی مذبح سات سر لے گئے اور باقی سب تیرہ سر لے گئے۔

حمید بن مسلم سے روایت ہے کہ جب ابن سعد کربلا سے روانہ ہو گیا تو قبیلہ بنی اسد کے چند افراد مقتل میں آئے اور ناصرانِ حسینؑ کی نعش ہائے مبارک پر جو بعد سروں کے کاٹ لئے جانے کے جلتی ریت پر خون میں غلطاں چھوڑ دی گئی تھیں۔ نماز پڑھی اور اُن کشتوں کو جس حالت میں اُس وقت تھے اسی طرح دفن کر دیا۔

عمر سعد تو ناموسِ حسینی کو قید کرکے کربلا سے روانہ ہو چکا تھا۔ بعد اختتام سفر جب کوفہ کے قریب پہنچا تو کوفہ والے ان قیدیوں کا تماشہ دیکھنے کے

لئے جمع ہو گئے۔ کوفہ کی ایک عورت اسی غرض سے اپنے مکان کی دیوار پر
چڑھ گئی۔ اور اہل بیت سے مخاطب ہو کر کہنے لگی " اے کمبخت قیدیو! تم ہو کس
قبیلہ کے ؟ مخدرات عصمت وطہارت نے جواب دیا " اے ضعیفہ! ہم اہلبیت
رسول عربی ہیں۔ انہیں کے کلمہ گویوں نے ہمارے وارثوں کو قتل کیا اور ہمیں قیدی
بنا کر اب کربلا سے کوفہ تک لائے ہیں " یہ سُن کر وہ عورت اپنے کوٹھے سے
نیچے اُتر آئی اور اپنے گھر میں سے کچھ چادریں اور نقابیں جمع کر کے اُن شہزادیوں اور
عالم کی مخدرات کو لا کر دیں۔ اُن غریبوں کو یہ کپڑے غنیمت ہو گئے لے کر اپنے
چہروں کو نامحرموں کی نگاہوں سے چھپانے لگیں۔ حمید بن مسلم کہتے ہیں " اہلبیت
کے اس لٹے ہوئے قافلہ کے ساتھ ایک تو امام زین العابدینؑ تھے جن کو شدت
مرض نے نہایت لاغر اور نحیف وضعیف کر دیا تھا۔ دوسرے حسن مثنیٰ کے
بیٹے وہ حسن جنہوں نے اپنے چچا حسینؑ کی حمایت میں ظالموں کی تلواروں کے
اس قدر وار کھائے کہ سرتا پا زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ابھی تھوڑی سی جان باقی
تھی کہ جناب امام حسینؑ ان کو میدان سے اُٹھا لائے تھے۔ تیسرے نمبر پر امام
حسنؑ کے دو بچے زید و عمر تھے۔ اہل کوفہ اہل بیت کی اس مصیبت پر بے قرار ہو
ہو کر روتے تھے یہ دیکھ کر جناب زین العابدینؑ نے فرمایا تم لوگ اگر ہماری ہی
مصیبت پر روتے ہو تو بتاؤ تو سہی پھر کس نے ہم کو تباہ کیا۔ اور کس نے ہمارے
عزیزوں اور رفیقوں کو قتل کیا ؟ بشیر بن خزیم الاسدی کہتے ہیں۔ " اُس وقت

میری نظر علی کی بیٹی جناب زینبؑ پر پڑی۔ آپ نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اشارہ کرنا تھا کہ سب یکایک دم بخود ہو گئے اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اور تمام باجوں گاجوں کا شور دفعتہً بند ہو گیا۔ جب کل حاضرین دل سے آپ کی طرف متوجّہ ہو گئے تو جناب زینبؑ نے فرمایا:۔ کل تعریفیں اُس خالقِ عالم کے لئے زیبا ہیں جس کی رحمتوں اور برکتوں کے مستحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ اے کوفہ کے رہنے والو! اے مکر و دغا کے پتلو! تم اب کیا روتے ہو! تم ہی نے تو ہم کو رُلایا۔ اور ہمارا یہ حال کیا کیا اب تک ہمارے آنسو بند نہیں ہوئے۔ اور ہماری آہیں کم نہیں ہوئیں۔ تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جس نے محنت سے مضبوط سُوت بٹنے کے بعد اس کے بلوں کو خود ہی کھول ڈالا اور اپنا کیا کرایا سب اکارت کر دیا تم نے اپنی قسموں کو دھوکے کی ٹٹی بنا لیا ہے یاد رکھو! تم تو بدترین انسان ہو تمہاری طینت میں دشمنی۔ چاپلوسی۔ چغلخوری اور شیخی کی بری عادتیں داخل ہیں تم اس گھاس کی مانند ہو جو مزبلہ پر نجاست کے درمیان اُگ آئے یا تمہاری مثال اُس چاندی کی سی ہے جس کا نقش قبر پر میت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ تم نے اپنے کرتوتوں سے نائرۂ غضبِ الٰہی کو مشتعل کر دیا ہے۔ اور اب تم جہنّم واصل ہو گے۔ کیا تم ہمارے لئے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہو؟ اصل تو یہ ہے کہ اب تمہیں رونا ہی رونا ہے۔ اُس داغ اور دھبّہ کے سبب جو اپنے ہاتھوں ظلم کر کے تم نے اپنے نفسوں پر لگا لیا ہے تم اُس

کو قیامت تک کسی طرح دھو نہیں سکتے۔ چشم و چراغ رسولؐ۔ جگر گوشہ علیؑ و بتولؑ۔ سید شباب اہل الجنۃ۔ دلبند قسیم النار و الجنۃ۔ خامس آلِ عبا۔ شاہِ دوسرا کے قتل کا دھبہ بھلا تمہارے دامن سے کب دُور ہو سکتا ہے؟ ارے فرزندِ رسول الثقلین امام حسینؑ جن پر تم نے جان بوجھ کر خنجر چلا دیا۔ تمہارے سچے ہادی اور رہبر تھے۔ وہ تمہیں نیکی اور بہبودی کا راستہ دکھانے والے۔ تمہاری مصیبتوں کو دفع کرنے والے۔ تمہارے دلائل کو روشن کرنے والے اور تمہاری سُنن حسنہ کو جاری کرنے والے تھے۔ یاد رکھو! ان کو ہلاک کر کے وہ گناہوں کا بوجھ جو تم نے اپنے اُوپر لادا ہے بہت ہی بُرا ہے۔ تم کہاں! اور آب رحمتِ خدا کہاں! تمہارے لئے نزدیکی تو ابِ عذابِ خدا سے ہے۔ سچ یہ ہے کہ تمہارا سب کیا کرایا اکارت ہو گیا۔ تم تباہی کے چکر میں آ گئے اور خسارا اب تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ اور یہ کیا کم ہے کہ تم غضبِ الٰہی میں مبتلا ہو گئے اور ذلّت و افلاس کی مار تم پر غیب سے پڑ گئی۔ افسوس۔ اے کوفہ والو! تمہیں کچھ معلوم بھی ہے رسول اللہ کے کون سے جگر کو تم نے چاک چاک کر دیا؟ اور آپ کے کس ناموس کو تم نے بلوۂ عام میں دیار بدیار پھرایا؟ کیا اتنا نہیں جانتے کہ رسول اللہ کا کونسا خون تم نے بیدردی سے پانی کی طرح زمین پر بہا دیا؟ کبھی تمہیں یہ بھی خیال آتا ہے کہ رسولِ عربی کی آبرو کو تم نے کس طرح مٹایا؟ رسول اللہ کی ذلت۔ ہتک حرمت اور ہلاکت میں کوئی دقیقہ تم نے اٹھا نہیں رکھا؟ جو جو

ظُلم تم نے اہل بیت پر کئے اور جس طرح سے رُوحِ پاک محمد مصطفیٰ کو تم نے بے چین کیا۔ اس کا اندازہ تو آسمان و زمین کی وسعت سے بھی نہیں ہو سکتا۔ کیا تمہیں اسی پر تعجب ہے کہ قتلِ حسینؑ کے سبب آسمان سے خون برسا۔ ابھی تو آخرت کا وہ عذاب تم پر ہونے والا ہے۔ جس کی رُسوائی بدرجہا زیادہ ہے اس عذابِ آخرت کی تم کو مطلق خبر بھی نہیں۔ اور اب تک تم پر عذاب نہ کرنے میں مصلحتِ ایزدی ہے۔ خدائے پاک نے تمہیں کچھ مہلت دی ہے تم اِس مہلت کے بل پر نہ اکڑو۔ خداوندِ عالم انتقام میں عجلت نہیں کرتا۔ اُسے تو اس بات کا خوف ہی نہیں کہ اگر جلدی سے انتقام نہیں لے لیا تو پھر موقع ہاتھ سے نکل جائے گا یا طاقتِ انتقام باقی نہ رہے گی۔ قدرت کو تم پر عذاب نازل کرنے میں وقت مناسب کا انتظار ہے۔"

بشیر کہتے ہیں" خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ جناب زینبؑ کے اس کلام معجز نظام کو سُن کر کوفہ اور شام والوں کو سناٹا سا آگیا۔ دل اُن کے ہل گئے اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور حیرت سے انگلیاں دانتوں میں دے لیں۔ میری نظر خصوصیت سے اس ایک مردِ کبیر السن پر پڑی جو میرے قریب ہی کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس شدت سے رویا کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور وہ کہہ رہا تھا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں! آپ کی نسل دنیا کی کل نسلوں سے بہتر ہے۔ آپ کے گھرانے کے کبیر السن کل سن رسیدہ لوگوں سے اعلیٰ اور

ارفع ہیں۔ اور آپ کے ہاں کے جوان دنیا کے کل جوانوں سے افضل ہیں۔ او
آپ اے اہل بیت! خواتین عالم سے اولیٰ اور برتر ہیں۔ کسی حالت میں بھ
آپ کی نسل رسوا ہو ہی نہیں سکتی نہ اس کا انقطاع ممکن ہے ؎

زید بن موسیٰ اپنے جد سے روایت کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ صغرا علیہا السلا
نے کربلا سے کوفہ آنے کے بعد ایک خطبہ پڑھا جس میں بعد حمد و نعت کے فرما
میں خدا کی تعریف کرتی ہوں۔ اُسی پر ایمان لائی ہوں اور اُسی پر بھروسہ رکھتی ہو
اور گواہی دیتی ہوں کہ اُس اکیلے کے سوائے کوئی خدا نہیں۔ بے شک محمدؐ اُس
کے بندہ اور سچے رسول ہیں۔ اور اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ ان کی اولاد فرا
کے کنارے بلا وجہ اور بلا کینہ ذبح کر دی گئی۔ بار الہا! تیری بے عیب ذات
پر افترا کرنے اور اتہام لگانے سے پناہ مانگتی ہوں۔ اور علی کی ولایت کے
بارے میں جو کچھ تو نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے۔ اُس کی مخالفت سے
دُوری چاہتی ہوں۔ وہ علیؑ جن کا حق خلافت چھین لیا گیا۔ اور جن کو خدا کے گھ
میں بے جرم و خطا قتل کر دیا گیا تو نے اپنی مشیت کے سبب اُن کی کسی مصیب
کو نہ اُن کی زندگی میں دفع کیا اور نہ وقتِ شہادت۔ یہاں تک کہ تو نے ا
کو اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا۔ وہ تو نہایت ہی پاک نفس اور پاکیزہ طبیعت
تھے۔ اُن کے فضائل عالم میں مشہور اور اُن کی ریاضتیں معلوم ہیں۔ اے اللہ
اُنہوں نے تیری راہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔ بار الہا! تو نے اسلا

کی ہدایت تو انہیں بچپنے ہی میں فرما دی تھی۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ تو نے اُن کے فضائل اور محاسن کو بھی بڑھا دیا۔ اور وہ بھی تا دم آخر تیری اور تیرے رسول کی راہ میں نصیحت کرتے رہے۔ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو انہوں نے اختیار کر لیا تھا۔ اور تیری راہ میں ایسا جہاد کیا کہ تو بھی راضی ہو گیا اور ان کو صراط مستقیم تک پہنچنے کا ذریعہ بنا دیا۔

اے کوفہ والو! اے مکر و دغا کے پتلو! ہم اہل بیت رسول ہیں۔ خدا نے ہمارا اور تمہارا امتحان لیا۔ اور ایک کی دوسرے کو کسوٹی بنا کر خوب پرکھا۔ ہم تو خدا کے دیئے ہوئے علم کی روشنی میں اور اس کی عطا کی ہوئی سمجھ کی بدولت امتحان میں پورے اُترے۔ اس کامیابی کے عوض میں ہمیں حضرت رب العزت نے اسرار علوم کا محرم اور حکمت و دانائی کا مخزن بنایا۔ اور ہم کو بندوں پر اپنی حجّت قرار دیا۔ ہمیں اپنی عزّت سے عزت بخشی اور ساری مخلوق پر اپنے نبی محمد مصطفےٰ کی قرابت کے سبب سے شرف بخشا۔ مگر تم نے جان بوجھ کر ہماری تمام فضیلتوں سے انکار کر دیا۔ اور ہماری تکذیب کی۔ اسی پر بس نہیں تم نے ہمارا خون بہانا حلال سمجھا۔ اور ہمارے اموال کو مثل مال غنیمت کے لوٹ لیا تمہارے سینوں میں ہماری طرف سے کینہ بھرا ہوا ہے۔ کل کا ذکر ہے کہ تم نے دادا علی بن ابی طالب امیر المومنین کے سر مبارک پر ضرب لگائی اور انہیں خانۂ خدا کے اندر خون میں نہلا دیا۔ آج تم نے اپنی تلواریں ہمارے وارثوں کے خون سے

رنگین کیں۔ رسول اللہ کی کمائی تم نے لوٹ لی اور چمنستانِ زہراؑ کو کاٹ ڈالا اور
اب تمہارے دلوں کو چین ہو گیا۔ یہ سارا ظلم تم نے خدا کی خدائی کو جھٹلا کر کیا۔ مگر
یاد رکھو! خداوند عالم سب سے زیادہ صاحب تدبیر ہے۔ اُس کی تدبیر کے
آگے تمہارے مکر کی کوئی ہستی نہیں۔ اے ظالمو! خدا سے ڈرو! ہمارا خون بہا کر
اور بچا کھچا لوٹ کر نہ اتراؤ۔ اور اپنی ناشائستہ حرکات پر نہ پھولو۔ جو جو مُصیبتیں
مطابق قضاء الٰہی ہم پر گذر چکیں اس سے زیادہ مصیبت تمہارے امکان سے
باہر ہے۔ اس کی بے فائدہ کوشش نہ کرو۔ اب تم ہمیشہ کے عذاب اور عتاب
میں گرفتار ہو گے جو تمہارے لئے ناگزیر ہے۔ اُسی کے منتظر رہو۔ بلکہ عذاب
تم پر ابھی سے شروع ہو گیا اور آسمان سے آفتیں پے در پے نازل ہونے لگیں
اِسی طرح منتقمِ حقیقی تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔ اور صفحہ ہستی سے تمہارے
نقش کو مٹا دے گا۔ تم سب ایک دوسرے کی سزا میں گرفتار ہو گے اور قیامت
کے روز تو ہمیشہ دہکنے والی آگ میں جھونک دئے جاؤ گے۔ ظالموں پر خدا کی
پھٹکار یُوں ہی ہوتی ہے۔ ارے! کس طرح سے تمہارے ہاتھ ہماری ہلاکت
کے لئے اُٹھے؟ اور کس بدبخت نے تم کو ہماری بربادی پر آمادہ کیا؟ تعجب
ہے کس طرح اتنی دُور و دراز کا سفر تم نے محض ہم کو تباہ کرنے کے لئے اختیار
کیا! خدا کی قسم! تمہارے دل تو پتھر ہو گئے قلب بے حس ہو گئے اور تمہاری
آنکھوں اور تمہارے کانوں پر پردے پڑ گئے۔ شیطان نے تمہیں رام کر لیا۔

دامِ تزویر میں تم خوب پھنس گئے۔ اب راہِ ہدایت تمہارے لئے مسدود ہو گئی اے کوفہ والو! یہ بتاؤ کہ رسول اللہ سے تمہیں کون سا کینہ تھا؟ اور کیوں تم نے رسول کے برادر بہ سرے دادا علی بن ابی طالب اور ان کی ذرّیت و عترت پر یورش کی؟ آلِ رسول کے خون سے تلواریں رنگین کیں۔ اور پھر اس ظلم پر فخر کرتے ہو۔ اور اکڑ اکڑ کر کہتے ہو۔ ہم نے علی اور اولادِ علی کو تیروں سے چھید ڈالا اور تیز ہندی تلواروں سے اُن کے بدنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہم نے رسول اللہ کی بیٹیوں اور بہوؤں کو قیدی بنایا اور اُن کو برباد کر دیا۔ کوفہ والو! سوچو تم اپنے منہ سے کیا بکتے ہو! تمہارے منہ میں خاک! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نے رسول اللہ کے ان اہلبیت کو ذلیل کر کے برباد کر دیا جن کو خود خدا نے پاک و پاکیزہ کیا تھا اور جن پر خدا نے انعامات کئے تھے؟ تم اب غم و غصہ کی آگ میں جلو۔ اور اپنے افعالِ شنیعہ کی سزا بھگتو۔ اِس لئے کہ ہر شخص کا آل اس کے اعمال پر منحصر ہے۔ اگر کچھ بھی شعور ہے تو کوفیو! ذرا یہ تو سمجھ کہ بزرگی و شرف حسب استحقاق علی اعلیٰ کا خاص عطیہ ہے۔ اب اگر اُس نے ہم کو فضائل کے خلعت سے سرفراز فرمایا اور تمہیں وہ سعادت اور بزرگی نہ بخشی تو اس میں ہمارا کیا گناہ؟ جبتک فضلِ الٰہی شاملِ حال نہ ہو۔ کوئی شخص ہزار سر ٹپکے عزیز ہو نہیں سکتا اور بغیر خدا کے کئے کوئی کورچشم نہ بینا ہوا ہے نہ ہوگا۔"

زید بن موسیٰ کا بیان ہے کہ جناب فاطمہ صغرا کے اس خطبہ سے سُننے والوں

میں ایک کہرام برپا ہوگیا۔ ہائے واویلا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اور سبھوں نے عرض کی "اے شہزادی! بس کیجئے۔ آپ کے اس کلام نے تو ہمارے دلوں کو جلا دیا۔ ہمارے سینوں میں گھٹن پیدا کر دی اور کلیجوں میں آگ بھڑکا دی"۔ یہ سُن کر آپ بھی خاموش ہوگئیں۔

زید کا بیان ہے کہ پھر اسی روز پس پردہ سے حضرت علی کی دختر جناب اُمِ کلثوم کی آوازِ گریہ بلند ہوئی اور آپ نے فرمایا۔

"اے کوفہ والو! خدا تمہیں نیکی دے تم کو کیا ہوگیا ہے؟ تم نے امام حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دیا اور انہیں قتل کر دیا اور اُن کے اہل بیت اور اموال کو لوٹ لیا اور اُن پر مصیبتیں ڈالیں۔ خدا تمہیں ہدایت کرے تم نے کیا غضب ڈھایا؟ اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا اور اپنے اُوپر گناہوں کا بوجھ لادا۔ بھلا یہ بھی سمجھتے ہو! کہ یہ کونسا خون تھا؟ جسے تم نے کربلا کی زمین پر گرایا۔ کس کی تم نے آبروریزی کی؟ کن شہزادیوں اور رسول زادیوں کو تم نے لوٹا؟ اصل یہ ہے کہ تم نے ان بزرگوں کو شہید کیا جو بعد رسول تمام خلقت سے بہتر تھے۔ تمہارے دلوں میں رحم بالکل نہ رہا۔ خدا والے ہی بس فلاح پانے والے ہیں اور شیطان کے شیدائی تو خسارے میں رہیں گے"۔ اس کے بعد آپ نے چند اشعار ارشاد فرمائے جن کا مطلب یہ ہے:۔

"تم نے میرے بھائی کو ظلم سے شہید کیا۔ تم پر افسوس ہے اب تم اس کی

پاداش میں ہمیشہ کی آگ میں جلو گے۔

"تم نے ایسے خون کو بہایا جس کا بہانا اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا تھا قیامت کے روز تم یقیناً ہمیشہ دہکنے والی آگ میں جھونک دئے جاؤ گے۔"

"میں تو جب تک زندہ رہوں گی اپنے اس مظلوم بھائی کی مصیبتیں یاد کر کے رویا کروں گی جو بعد رسول دنیا میں سب سے افضل تھا۔ اس کی مصیبتوں پر میری آنکھوں سے مسلسل اور بکثرت آنسو جاری ہوں گے جو میرے رخساروں کو گھلا دیں گے اور کبھی بند نہ ہوں گے۔

اتنا سننا تھا کہ لوگوں میں آہ وزاری کا ایک شور بلند ہوا۔ عورتوں نے اپنے سر کھول دئے اور بال بکھیر دئے۔ اور خاک اڑانی شروع کی اور چہروں کو زخمی کر دیا اور اپنے رخساروں پر طمانچے مارے اور ہائے واویلا کے نعرے بلند ہوئے مردوں کی یہ حالت تھی کہ برابر روتے تھے اور تاسف سے اپنی ڈاڑھیوں کو نوچتے تھے۔

زید کہتے ہیں کہ اس دن کی گریہ وزاری سے زیادہ گریہ وزاری ہم نے دیکھی نہ سنی۔

اس کے بعد جناب امام زین العابدینؑ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جائیں۔ پس سب خاموش ہو گئے تو اس وقت آپ کھڑے ہوئے۔ اور بعد حمد خدا اور نعت رسول فرمایا" اے لوگو! تم میں سے جو مجھے جانتا ہے وہ تو

جانتا ہی ہے لیکن جو مجھ سے واقف نہیں اُس کو میں اب بتائے دیتا ہوں کہ میں حسینؑ مظلوم کا بیٹا علی ہوں۔ میرے دادا علی بن ابی طالب تھے۔ میں ایسے سلف کا خلف ہوں جن کی ناموس اور عترت کو مع اثاث البیت کے لوٹ لیا گیا اور جن کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔ میں بیٹا ہوں اس بے کس کا جو دریائے فرات کے کنارے بے جُرم و خطا ذبح کیا گیا۔ میں اُس ستم رسیدہ کا نُور دیدہ ہوں جو بحالت مجبوری شہید کیا گیا۔ میرے تعارف کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم! سوچو تو۔ تم نے میرے پدر بزرگوار کو خط لکھ لکھ کر بلایا۔ اور پھر اُن کو دھوکا دیا۔ تم نے ان کے ساتھ نہایت پختہ اور استوار عہد کئے اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور پھر اُنہیں جناب کا ساتھ تم نے چھوڑ دیا۔ اور اُن کو نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا۔ جان بوجھ کر تم نے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا۔ بتاؤ تو رسولؐ اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ اور جب آپ فرمائیں گے "کیوں! تم نے میری عترت کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ تم نے میری ناموس کو کیوں بے عزت کیا؟ اور میری اولاد کو کس لئے قتل کیا؟ تم ہرگز میری اُمت میں سے نہیں ہو۔

" اس وقت تم کیا جواب دو گے؟"

زید کہتے ہیں " یہ سُنتے ہی حاضرین بے ساختہ رونے لگے اور ہر گوشہ سے گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہوگئیں اور ایک دوسرے سے کہنے لگا " قتل حسینؑ

میں ہاتھ رنگین کر کے تم نے اپنے آپ کو ہلاک کیا۔"

پھر ابن زیاد نے دربارِ عام کیا اور امام حسینؑ کا سرِ اطہر اُس وقت پیش کیا گیا اور ناموسِ حسینی کا بھی داخلہ ہوا۔ جناب زینبؑ کے متعلق حاکم نے سوال کیا: یہ کون ہیں؟ یہ سُن کر کسی نے عرض کیا۔ آپ زینب خاتونِ ثانی زہراؑ ہیں۔ ابن زیاد آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور بولا۔ خدا کا شکر ہے جس نے زینب خاتون! تمہیں اور تمہارے بھائی کو رُسوا کیا۔ اور تمہارے جد کے گھڑے ہوئے دین کو باطل کر دکھایا۔"

یہ سننا تھا کہ جناب مخدومہ کو تابِ ضبط باقی نہ رہی۔ اُس کے کلام کو قطع کر کے فوراً ارشاد فرمایا: ایسا کلام ہمارے حق میں زیبا نہیں۔ رسوائی تو فاسق ہی کی ہوتی ہے۔ اور بطلان کا تعلق فاجر کے عمل سے ہے ہم کو فسق و فجور سے کیا نسبت؟

ابن زیاد: "تم نے کچھ دیکھا! خدا نے تمہارے وارثوں کے ساتھ کیا کیا؟

جناب زینبؑ۔ اللہ نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ ان کو تو راہِ خدا میں قتل ہونا ہی تھا مجاہدین کی طرح میدان میں آ کر گردنیں کٹا دیں۔ اور اپنے خون میں لوٹ کر سرخرو ہوئے۔ اب روزِ حساب حاکمِ حقیقی کے سامنے ہماری اور تمہاری پیشی ہوگی اور اُس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہوگا۔ اُس روز دیکھنا! جیت کس کی ہوتی ہے۔"

راوی کا بیان ہے کہ یہ سُن کر ابن زیاد آپے سے باہر ہو گیا اور معظمہ پر ہاتھ اٹھانا چاہا۔ فوراً ہی عمرو بن حریث نے یہ کہہ کر ٹھنڈا کر دیا:۔

"اے امیر! یہ عورت ہیں۔ اور عورتوں کی بات کی گرفت نہیں ہوتی" عمرو کے اس فقرے نے پسرِ زیاد کو دست درازی سے تو روک دیا مگر زبان درازی سے وہ بے ادب باز نہ آیا۔ بولا "زینبؑ تمہارے کنبہ کے خود سروں اور سرکشوں یعنی حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کر کے میرے دل کو چین آگیا۔"

جناب زینبؑ۔ خدا کی قسم! حسینؑ کے مرنے کے دن نہ تھے تو نے اُن کے نخلِ زندگی کو کاٹ ڈالا۔ اور میری زیست کی بنیاد کو اکھاڑ ڈالا۔ اگر ہمیں مٹا کر تجھے چین ملا تو خیر ایسا چین تجھے مبارک ہو۔"

ابن زیاد۔ یہ تو تُک بندی کرنے والی عورت ہے اور اسی طرح اس کا باپ بھی تُک بندی کیا کرتا تھا۔"

جناب زینبؑ۔ ایک غمزدہ کو قافیہ بندی سے کیا تعلق؟"

ابن زیاد۔ (ابن الخیرتین جناب علی بن الحسینؑ کی طرف اشارہ کر کے) "یہ کون ہیں؟ کسی نے کہا "حسینؑ کا زندہ بیٹا بس یہی ہے۔"

ابن زیاد۔ (حیرانی کے ساتھ) "کیا یہ خبر غلط تھی کہ حسینؑ کے فرزند علی کو کربلا میں قتل کر دیا گیا؟"

امام زین العابدینؑ (فوراً ہی) "ہاں میرے بھائی کا نام بھی علی تھا۔ جس کو تیری فوج نے قتل کیا۔"

ابن زیاد۔ "میری فوج نے نہیں۔ اس کو تو خدا نے قتل کیا۔"

امام زین العابدینؑ ۔ "خدا نے نفسوں کے لئے موت کو مقدر کیا ہے نہ کہ قتل کو۔"

ابن زیاد ۔ "تیری یہ جرأت کہ منہ در منہ مجھے جھٹلاتا ہے" (نوکروں سے مخاطب ہوکر) "ارے! اسے لے جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔"

جب ابن زیاد کا یہ حکم ہمارے کربلا کی پھوپھی جناب زینب نے سنا تو فرمایا۔ "ابن زیاد! کیا تو ہمارے مردوں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے گا؟ اگر تو نے میرے اس بھتیجے کے قتل پر کمر باندھ ہی لی ہے تو ساتھ ہی میرا بھی کام تمام کر دے۔"

امام زین العابدینؑ "پھوپھی اماں! آپ ذرا خاموش رہیئے۔ اس سے گفتگو کے لئے میں ہی کافی ہوں۔"

امام زین العابدین۔ (ابن زیاد کی طرف مخاطب ہوکر) "کیا تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہمارا شیوہ ہے اور شہادت ہی میں ہماری بزرگی ہے؟"

ابن زیاد جیسا سخت گیر امام عالی مقام کے اس دلیرانہ اور عارفانہ مختصر کلام سے ایسا متاثر ہوا کہ اُس نے فوراً قتل کا حکم واپس لے لیا۔ اور دوسرا حکم جاری کیا کہ اہل بیت رسولؐ کو مع زین العابدینؑ اس گھر[1] میں پہنچا دو جو جامع مسجد

---

[1] غالباً یہ وہی گھر ہے جس میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام بعد خلافت

کے پہلو میں واقع ہے۔ جناب زینب کو معًا یہ خیال پیدا ہوا کہ اُس پُرانے گھر میں داخل ہوتے ہی حکومت کے زمانہ کی ملنے والیاں ہمیں دیکھنے ضرور آئیں گی اُس وقت کی ناقابلِ برداشت حالت کا تصور کر کے آپ نے فرمایا ابن زیاد! جب تو ہمیں ہمارے اُسی حکومت کے گھر میں بھیجتا ہے جہاں ہم حشمت و جلالت کے ساتھ بابا کے سایۂ عاطفت میں رہا کرتے تھے تو ذرا اتنا کر کہ ہم کو اس شکستہ حالت میں دیکھنے کے لئے کوئی خاندانی عورت نہ آئے۔ کنیزوں کے آنے میں البتہ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ہماری طرح وہ بھی قید کی ذلت اٹھا چکی ہیں ؎

پھر ابن زیاد نے امام حسینؑ کے سر کو کوفہ کی گلیوں اور بازاروں میں تشہیر کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ابن زیاد ممبر پر گیا اور خدا کی حمد و ثنا کی۔ حمد کے بعد کہا "اُس خدا کا شکر ہے جس نے حق اور اہلِ حق کی مدد کی اور امیر المومنین یزید

بقیہ حاشیہ صلا۱۳ ۔ ظاہری فروکش تھے۔ ابن زیاد اس حکم میں بھی اپنی شقاوت جبلی سے باز نہ آیا اور اہل بیت کی مصیبت بڑھانے کے لئے اُسی گھر میں اسیر کرنے کا حکم دیا جس میں امیر المومنین کے گھرانے والے کبھی امیر بن کے رہے تھے۔ (مترجم)

؎ صاحبِ مقتل لہوف نے اس واقعہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا کہ جناب زینبؑ کی درخواست کو ابنِ زیاد نے منظور کیا یا نہیں (از طرف مترجم)

اور ان کے شیعوں کی تائید فرمائی۔ اور کذاب ابن کذاب حسینؑ کو قتل کیا۔ اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ عبداللہ بن عفیفؒ بے اختیار اُس کی تردید کے لئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا:۔

"اے مرجانہ کے بیٹے! کذاب ابن کذاب تو تُو ہے اور تیرا باپ اور وہ جس نے تجھے حاکم بنایا۔ وہ بھی کذاب اور اس کا باپ بھی۔ اے دشمنِ خدا! تو ذریتِ انبیاء کو قتل کرتا ہے اور پھر مسلمانوں کے منبر پر چڑھ کر ایسا بے ادبانہ کلام کرتا ہے۔"

ابن زیاد۔ (نہایت غصّہ سے) "یہ بولنے والا کون ہے؟"

عبداللہ بن عفیف (خود ہی) "او ظالم! بولنے والا میں ہوں۔ کمبخت تو اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا ہے اور عترتِ رسول کو قتل بھی کرتا ہے حالانکہ خدا نے انہیں کی شان میں آیہ تطہیر کو نازل فرمایا ہے۔ فریاد! خدایا فریاد! مہاجرین و

لہ صاحب مقتل لہوف عبداللہ بن عفیف کی بابت لکھتے ہیں کہ یہ بہترین شیعہ تھے اور بڑے پایہ کے عابد تھے۔ اپنی دونوں آنکھوں کو حضرت علیؑ کی نصرت میں قربان کر چکے تھے۔ دائیں آنکھ جنگ صفین میں اور بائیں جنگ جمل میں آنکھیں جانے کے بعد سے مسجد کوفہ میں بیٹھ گئے تھے اور شبانہ روز عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔

انصار کے لائق فرزند کہاں ہیں؟ تجھ سے اور تیرے جابر حاکم سے بدلہ کیوں نہیں لیتے؟"

اس پر ابن زیاد کے غضب کی آگ اور بھڑکی اور مارے غصہ کے گردن کی رگیں پھول گئیں۔ حکم دیا "اس اندھے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ حکم پاتے ہی افسران فوج ہر طرف سے اُسے گرفتار کرنے کے لئے دوڑے۔ لیکن قبیلہ ازد کے اشراف جو عبداللہ بن عفیف کے چچا زاد بھائی تھے۔ مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سرداران فوج کے پنجوں سے چھڑا کر لے گئے اور صحیح وسالم گھر پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا۔ ارے! جاؤ اور اس ازدی اندھے کو پکڑ لاؤ۔ جس طرح خدا نے اس کی آنکھوں کو اندھا کیا ہے۔ اسی طرح وہ دل کا بھی اندھا ہے" حکم کا ملنا تھا کہ فوج کے دستے عبداللہ بن عفیف کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ جب یہ خبر قبیلۂ ازد کو معلوم ہوئی تو سب اکٹھا ہو گئے اور یمن کے چند قبیلے بھی اُن سے آملے اور عبداللہ کی حفاظت کی تدبیریں سوچنے لگے۔ یہ خبر ابن زیاد کو بھی پہنچ گئی۔ اس نے مُضر کے قبیلہ کو جمع کیا۔ اور محمد بن اشعث کی سرکردگی میں لڑائی کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے جا کر سخت جنگ کی اور عرب کی کافی جماعت کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اور فوج کے چند سپاہی عبداللہ بن عفیف کے مکان تک پہنچ گئے اور دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ عبداللہ کی لڑکی چلائی "بابا وہ دشمن جن کا آپ کو کھٹکا تھا آپہنچے" عبداللہ نے کہا "تو نہ ڈر مجھے میری تلوار

دے دے "۔ بیٹی نے باپ کو تلوار دے دی۔ عبداللہ نے دشمنوں سے بچنے کے لئے تلوار پھرانی شروع کی۔ اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:۔

" میں طیّب وطاہر عفیف کا فرزند اور ام عامر کا پوتا ہوں۔

میں نے تمہارے بہت سے سُورماؤں اور زرہ پوشوں کو مقابلہ میں زیر کیا ہے "

باپ کو اس مُصیبت میں دیکھ کر بیٹی کہہ رہی تھی۔ اے بابا! کاش میں مرد ہوتی تو آج آپ کے سامنے ان فاجروں سے اور قاتلانِ عترتِ رسولؐ سے جنگ کرتی یہ اثناء جنگ میں وہ اپنے باپ کو بتاتی جاتی تھی کہ اب دشمن دائیں طرف ہے۔ اب بائیں طرف ہے۔ اب سامنے ہے اور اب پسِ پشت "۔ ابن عفیف تلوار چلائے جاتے تھے اور کہتے تھے " اگر بینائی زائل نہ ہو گئی ہوتی تو میں تم میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑتا۔ دشمنوں نے بالآخر ہر سمت سے ابن عفیف کو گھیر لیا اور پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ حاکم نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تجھے اے عفیف کے بیٹے! رسوا کیا " عبداللہ نے جواب دیا۔

اے دشمنِ خدا! میری گرفتاری میں کیا رسوائی ہے؟ خدا کی قسم! اگر میری آنکھوں میں روشنی ہوتی تو میں تیرا جینا دشوار کر دیتا "

ابن زیاد۔ (عبداللہ ابن عفیف کے قتل کا پہلو نکالنے کے لئے)

"اے مردود تیری رائے عثمان بن عفان کی بابت کیا ہے؟"

عبداللہ بن عفیف (نہایت دلیری سے) اے بنی علاج کے غلام! اے مرجانہ کے بیٹے! اس وقت عثمانؓ کا کیا ذکر ہے۔ اُس نے بُرا کیا تو۔! اور اچھا کیا تو! اس کا معاملہ احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہوگا اور وہ ہی اُس کے حق میں حکم بھی کرے گا۔ تجھے پوچھنا ہے تو اپنی بابت پوچھ یا اپنے باپ کی بابت۔ یزید کے متعلق سوال کر یا اُس کے باپ معاویہ کے متعلق۔

ابن زیاد۔" میں تجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھتا! اَب تو میں تجھے تڑپا تڑپا کر مارونگا"

عبداللہ۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے میری دُعا قبول کر لی جو میں اس وقت سے مانگ رہا ہوں کہ تو پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ آج تک حضرت ربّ العزت سے میں اس امر کا متمنی رہا ہوں کہ مجھے شہادت ملے اور اُس بدبخت کے ہاتھوں سے شہید ہوں جو تیری مخلوق میں سب سے زیادہ مردود اور نامسعود ہو۔ بینائی کے زائل ہو جانے پر مجھے اس درجہ عظمیٰ سے یاس ہوگئی تھی۔ خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے بعد مایوسی کے میری دلی آرزو کو پورا کیا۔ اور ابن زیاد جیسا بدترین قاتل مجھے نصیب ہوا۔ اَب مجھے اپنی برسوں کی دعا کی قبولیت کا یقین ہوگیا۔"

ابن زیاد (جھنجلا کر) ارے! اس اندھے کی گردن اُڑا دو۔"

چنانچہ فوراً ہی عبداللہ بن عفیف کی گردن اُڑا دی گئی پھر اُس مظلوم کی

نعش کو قبیلہ مضر نے مقام سنیحہ کے قریب اپنی زمین پر لے جا کر سُولی پر چڑھا دیا اس کے بعد ابن زیاد نے یزید کے پاس قتل حسینؑ اور بربادی اہل بیت کی خبر لکھ بھیجی اور ساتھ ہی ایک خط مدینہ کے گورنر یعنی عاص کے پوتے عمرو بن سعید کو بھیجا۔ اس خط کے پہنچتے ہی عمرو نے دربار عام کیا اور منبر پر چڑھ کر بعد خطبہ کے واقعۂ کربلا کا اعلان کیا۔ بنی ہاشم کی آنکھوں میں تو اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی دنیا تاریک ہوگئی۔ اور انہوں نے بیقراری کے عالم میں مجالس عزا برپا کرنی شروع کیں۔ ان مجلسوں میں شہیدوں کے اوصاف بیان کر کے رلانے والی جناب زینب بنت عقیل امام حسین کی ایک دوسری چچا زاد بہن تھیں آپ کے جگر فگار بین یہ تھے۔

" ایہا الناس! رسولِ خدا تم سے پرسش کریں گے کہ تم نے باوجود بہترین اُمت ہونے کے کیسے بدترین افعال کئے۔ تم نے میرے بعد میرے جگر گوشوں کو قید کیا۔ انہیں خون میں نہلا کر جلتی زمین پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔ کیا یہ ظلم تم نے اسی وجہ سے ڈھایا کہ میں تمہیں نصیحت کر چکا تھا کہ میرے اہل بیت کے ساتھ نیکی کرنا؟"

شب کے وقت مدینہ میں غیب سے ایک آواز بلند ہوئی۔ حسین کی نصرت سے ہاتھ اٹھانے والو! اپنے کئے کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمام آسمان والے تم پر نفرین کرتے ہیں۔ خدا اور دوستانِ خدا تم سے بیزار ہیں۔ تم

پر تو حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ جیسے انبیاء ما سبق لعنت کر چکے ہیں۔"

ملک شام میں یزید کے پاس جب ابن زیاد کا خط پہنچا تو یزید نے خط پڑھ کر اس کا جواب یوں لکھا۔

حسینؑ کے سر کو اس کے انصار کے سروں کے ساتھ ہمارے دربار میں بھیجو۔ اور حسینؑ کی عورتوں اور بچوں کو مع اُن کے کل سامان کے ہمارے حضور میں پیش کرو۔

جونہی یزید کا یہ حکم ابن زیاد کو ملا۔ اس نے محفز بن ثعلبہ عائذی کو بلایا اور تمام سر اُس کے حوالے کئے اور لُٹے ہوئے حسینی قافلہ کو بھی اس کے سپرد کیا۔ محفز ان سب کو شام کی طرف لے کر روانہ ہوا۔ اور اُن مقدس قیدیوں کے ساتھ اثناء راہ میں ایسا ذلیل برتاؤ کیا جو کافروں کے ساتھ بھی کسی طرح جائز نہیں۔ اُن مخدرات عصمت و طہارت کے چہروں کو تماشائی گھور گھور دیکھتے تھے۔[۱]

---

[۱] صاحب مقتل لہوف اس مقام پر عبداللہ بن لہیعہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں ابن لہیعہ کا بیان ہے جس وقت میں بیت المقدس کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ خدا کی جناب میں عرض کرتا ہے بارالہٰا! تو میرے گناہوں کو بخش دے لیکن مجھے تیری بخشش کی اُمید نہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا اے بندۂ خدا! خدا سے ڈر اور ایسا نہ کہہ۔ اگرچہ تیرے گناہ بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کے برابر ہوں۔

صاحب مقتل لہوف لکھتے ہیں کہ میں نے شیخ المحدثین محمد بن تجار کی

بقیہ حاشیہ ص۱۳۸ ۔ تب بھی تیرے استغفار کرنے پر اللہ تیرے کل گناہوں کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ تو بڑا غفور اور رحیم ہے ۔ اس شخص نے جواب دیا ۔ اے ابن لہیعہ میرے قریب تو آ ۔ میں تجھے اپنی سرگزشت سناؤں میں قریب گیا تو اس نے کہا ۔

"ہم کل پچاس آدمی تھے جو امام حسین کا سر اطہر لے کر کربلا سے شام کی طرف چلے تھے ۔ اثناء سفر میں ہر روز سر شام منزل کرنے پر ہم سر امام تو ایک صندوق میں بند کر کے رکھ دیتے تھے اور خود جی بھر کے صندوق کے ارد گرد جمع ہو کر شراب پیتے تھے ایک رات کو میرے ساتھیوں نے اتنی شراب پی کہ مدہوش ہو گئے لیکن میں نے اس شب کو نشہ سے اجتناب کیا ۔ جب رات کی سیاہی خوب پھیل گئی تو میں نے بجلی کی کڑک سنی اور اس کی چمک نے میری آنکھوں کو خیرہ کر دیا ۔ اسی اثناء میں میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ۔ اور حضرت آدم نوح اور ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق علیہم السلام ظاہر ہوئے ہیں ۔ ان کے ساتھ جبریل امین بھی ہیں ۔ اے ملائکہ کی کثیر تعداد بھی ہے ۔ جبرئیل اس صندوق کے قریب آئے پھر اس میں سے سر اطہر امام حسینؑ کا نکالا اور سینہ سے چمٹا لیا ۔ اور اس کے بوسے لینے لگے ۔ پھر یہی احترام کل انبیاء نے اس سر انور کا کیا ۔ رسول اللہ کی باری آئی تو آپ اپنے لخت جگر کا کٹا ہوا سر دیکھ کر بہت روئے ۔ باقی اور انبیاء نے آپ کو اس مصیبت پر پرسا دیا اور تعزیت کی پھر جبرئیل

کتاب تذئیل میں اپنی آنکھ سے اس مضمون کی روایت دیکھی ہے کہ جب بعد شہادت امام مظلوم آپ کا سر انور اشقیا کربلا سے لے کر روانہ ہوئے اور اثنائے راہ میں ہر منزل پر شراب پینے کے دور چلنے لگے تو ایک منزل پر یکایک غیب سے ایک ہاتھ نکلتا دکھائی دیا جس نے دیوار پر لوہے کے قلم سے یہ مضمون تحریر کیا۔

"کیا نانا کا کلمہ پڑھنے والے اس کے نواسے کو قتل کرنے کے بعد اس کی شفاعت کے امیدوار ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔"

نے رسول اللہ سے عرض کی پروردگار عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے ان کل احکام کی تعمیل کروں جو آپ اپنی اُمت کے بارے میں صادر فرمائیں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں مثل قوم عاد کے ان ملاعنہ کو مع زمین کے اُلٹ دوں۔ رسول اللہ نے فرمایا اے جبرئیل! ان نام نہاد مسلمانوں کے اور میرے درمیان تا قیام قیامت ایک قرارداد ہے اس کے بعد ابن لہیعہ کا بیان ہے کہ کچھ فرشتے ہمیں قتل کرنے کے ارادہ سے بڑھے۔ یہ دیکھ کر میں خائف ہوا۔ اور میں نے امان طلب کی۔ رسول اللہ نے مجھے امان نہ دی۔ اور جھڑک کر کہا۔

"اللہ تیرے گناہوں کو ہرگز نہ بخشے گا۔"

یہ سنتے ہی سب خائف ہو گئے اور سر انور کو چھوڑ کر بھاگ گئے بعد تھوڑی دیر کے جب دلوں سے دہشت دور ہوئی تو پھر سر انور کو لے کر مع اسیران حرم کے آگے بڑھے اور سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے دمشق کے قریب پہنچے اس وقت ام کلثوم شمر کے پاس تشریف لے گئیں اور فرمایا۔ اے شمر میری تجھ سے ایک حاجت ہے۔" شمر نے کہا کیا حاجت ہے۔" فرمایا۔جب تو شہر دمشق میں داخل ہو تو ہم کو ایسی گلیوں اور کوچوں سے لے جانا جن میں تماشائیوں کا مجمع نہ ہو اور نیزہ برداروں کو حکم دینا کہ وہ سر ہائے شہداء کو ہمارے قافلہ کے درمیان سے ہٹا کر محملوں کے آگے لے جائیں تاکہ تماشائی انہیں دیکھنے میں مشغول ہوں اور نامحرموں کی نگاہیں ہم پر نہ پڑیں۔ اپنی شکستہ حالی اور بے لبسی میں تماشائیوں کی نگاہوں سے جو ہم پر برابر پڑتی رہی ہیں۔ اب ہم عاجز آ گئے ہیں۔" شمر نے خاتم اسلام کی بیٹی کا سوال رد کر دیا۔ اور اپنی شقاوت جبلی اور کفر ازلی کے سبب حکم دیا کہ سر ہائے شہدا کو عورات اہل بیت کے برابر برابر رکھیں۔" اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور خود شمر جناب ام کلثوم کی درخواست کے خلاف اسیران حسینی کو لے کر بازار دمشق کے چوک سے گذرا اور شہر کی جامع مسجد کے دروازہ پر قیدیوں کی جگہ سیڑھیوں پر کھڑا کر دیا۔

تابعین رسول میں سے ایک بزرگ کی بابت روایت ہے کہ جب ان کی نظر ملک شام میں سر اطہر امام حسینؑ پر پڑی تو وفور غم و الم سے ایک مہینہ تک

سوگ منایا۔ اس عرصہ میں نہ گھر سے باہر نکلے اور نہ کسی سے ملے بعد ایک مہینہ کے جب دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے اس سوگواری کی وجہ پوچھی فرمایا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کتنی بڑی مُصیبت ہم پر پڑی ہے۔ ؟"

اَور پھر غم حسینؑ میں رو رو کر یہ کہا۔" اے رسول اللہ کے پیارے نواسے جب میں نے تیرے کٹے ہُوئے سر کو خون میں لتھڑا ہوا دیکھا تو رسول مقبول کی تصویر میری آنکھوں میں پھر گئی اَور میں نے یہ سمجھ لیا کہ ان مسلمانوں نے تجھ کو قتل نہیں کیا بلکہ علانیہ اَور عمداً رسولِ خدا کو قتل کر دیا۔

تجھے اے مظلوم! ان کلمہ گویوں نے پیاسا ذبح کر دیا اَور تیرے حق میں احکام قرآن کا بھی خیال نہ کیا۔ تعجب ہے! تیرے قتل کی خوشی میں یہ ظالم تکبیروں کے نعرے بلند کرتے ہیں حالانکہ اُنہوں نے تجھے قتل کر کے تکبیر و تہلیل ہی کو قتل کیا ہے۔"

اس کے بعد ایک شخص زنان و اطفال حسینؑ کے قریب آیا اور اُن کی شکستہ حالی اَور عریانی دیکھ کر بولا، خدا کا شُکر ہے جس نے تم کو ہلاک کیا۔ تمہارے مردوں کو قتل کر کے شہروں اَور ملکوں کو اَمن بخشا اَور امیر المومنین یزید کو تم جیسے باغیوں پر فتح عنایت کی۔ بانی اسلام کے فرزند۔ معلّم قرآن کے دلبند علی بن الحسینؑ نے جب ان دلخراش فقرات کو سُنا تو فرمایا۔" اے شیخ تو نے کبھی قرآن پڑھا بھی ہے؟ اُس نے جواب دیا۔" کیوں نہیں؟"

امام زین العابدین۔ تو قرآن پاک کی اس آیت کو بھی سمجھا

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ (اے رسول۔! اُمت سے کہہ دو کہ رسالت کا اُجر میں تم سے بس یہی چاہتا ہوں کہ تم سب اہل بیت سے محبت کرو۔

شیخ۔" ہاں سمجھ چکا ہوں۔ اس آیت میں رسول اللہ کے قرابت داروں کے ساتھ مودّت و محبّت کا حکم ہے۔"

امام زین العابدین۔" وہ قرابت دار ہم ہی تو ہیں۔ ہماری ہی مودت و محبت کا تو خدا نے حکم دیا ہے۔

امام زین العابدین۔" اے شیخ کیا تو نے سورۂ بنی اسرائیل میں وات ذی القربیٰ حقہ (اے رسول! قرابت داروں کا حق دے دو) پڑھا ہے۔"

شیخ۔" ہاں پڑھا ہے۔"

امام زین العابدین۔" یہاں بھی قربیٰ سے ہم اہل بیت مراد ہیں۔"
امام زین العابدین۔ کیا تو نے اس آیت کو بھی پڑھا ہے؟"

واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ۔ اے مسلمانو! جو کچھ مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے اور رسول کے

قرابت داروں کا ہے)

شیخ - ہاں اس کو بھی پڑھا ہے۔

امام زین العابدین: "مقصود خداوندی قربیٰ سے ہماری ہی ذات ہے"

امام زین العابدین - "کیا تو نے قرآن مجید میں انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا - (اے اہل بیت! خدا نے تم سے دین میں ہر قسم کے شکوک برطرف رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے) بھی پڑھا ہے؟"

شیخ - "جی ہاں"

امام زین العابدینؑ - اے شیخ! وہ اہل بیت ہم ہی تو ہیں جن کو خدا نے اس آیۂ تطہیر کے ساتھ مخصوص کیا ہے"

یہ سن کر وہ بڈھا حیران رہ گیا اور مارے ندامت کے پسینہ پسینہ ہو گیا اور امام کی ہدایت سے مشرف ہو کر بے ساختہ کہا۔ خدا کی قسم! خدا کے کلام کی یہ سب آیتیں آپ ہی کی شان میں ہیں" فوراً ہی اس کی تصدیق میں امام نے تاکیداً فرمایا بے شک قرآن پاک کی اکثر آیتیں ہماری ہی شان میں ہیں۔ نانا کے حق کی قسم! ہم شریک وسہیم قرآن ہیں" پھر تو اس مرد کبیر السن پر خوب رقت طاری ہوئی۔ اور اس نے عمامہ اپنے سر سے اُتار پھینکا اور منہ آسمان کی طرف کر کے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔ خداوندا! میں دشمنانِ محمد وآلِ محمدؐ کے افعال واعمال سے بیزار

ہوں خواہ وہ جن ہوں یا انسان ؟ اتنا کہہ کر شفیع المذنبین کے فرزند رحمۃ للعالمین کے دلبند کی خدمت میں عرض کیا : اے مولا ! کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے ؟ فرمایا ۔ اگر تو صدقِ دل سے توبہ کرے گا تو خدا تیری توبہ ضرور قبول کرے گا ۔ ہمارے ساتھ جوارِ رحمتِ الٰہی میں تجھ کو بھی جگہ ملے گی ۔ شیخ نے عرض کی مولا ! میں نے یہ توبہ سچے دل سے ہمیشہ کے لئے کی ہے ؟

جاسوسوں نے آناً فاناً اس واقعہ کی خبر دربارِ یزید میں پہنچا دی اور یزید نے غضبناک ہو کر اک دم شیخ کے قتل کا حکم دے دیا ۔ اور جلادوں نے اُس باایمان کو قتل کر دیا ۔

دیر تک سیڑھیوں پر کھڑے رہنے کے بعد اُن بیکس قیدیوں کا داخلہ دربارِ یزید میں ہوا ۔ یہ دربار ابھی تک رسول اور اصحابِ رسول کی سیرت کے موافق مسجد کے اندر ہی منعقد ہوتا تھا ۔ ان قیدیوں میں امام حسینؑ کی بہنیں ۔ بہو ۔ بیٹیاں اور بھاوجیں تھیں ۔ اور آپ کے وہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو قتل سے بچ گئے تھے ۔ ان سب کے ساتھ وہ تبرکاتِ انبیاء بھی تھے جو مظلوم حسینؑ کی شہادت کے بعد بطورِ مالِ غنیمت کے لوٹ لئے گئے تھے ۔ یہ قیدی ایک رسن میں قریب قریب باندھ دیئے گئے تھے ۔ جب یہ اسیرانِ رسن بستہ حاکم کے سامنے پیش کئے گئے تو امام زین العابدین نے فرمایا ۔ اے یزید ! میں تجھ سے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں ؟ اگر رسول اللہ آج ہم کو اس حالت میں دیکھتے تو تیرے

خیال میں اُن کے قلب پر کیا گذرتی ؟ امام کے اس کلام سے یزید جیسے سخت گیر حاکم کا دل ہل گیا۔ اُس نے حکم دیا۔ "ان قیدیوں کی رسن کاٹ دی جائے" جب رسن کو کاٹ دیا گیا تو یزید نے سب قیدیوں کو اپنے پس پشت بٹھائے جانے کا حکم دیا۔ اور سرِ امام حسین کو ٹھیک اپنے سامنے رکھوایا تاکہ زنان و اطفالِ حسین کی نظر آپ کے سر پر نہ پڑسکے مگر امام زین العابدین کی نگاہِ اشتیاق مظلوم باپ کے سرِ بریدہ پر پڑ گئی۔ آپ کے قلب پر اُس وقت ایسی چوٹ لگی کہ جب تک زندہ رہے کبھی حیوان کا سر نہ کھایا۔ اور جناب زینبؑ تو دیکھتے ہی ایسی بیقرار ہوگئیں کہ اپنے گریبان کو اُن مخطمہ نے چاک چاک کر دیا اور دردناک آواز سے وہ بین کئے کہ سُننے والوں کے دل پاش پاش ہوئے جاتے تھے۔ فرماتی تھیں۔

"اے بھائی حسینؑ! اے رسول کے پیارے! اے مکہ اور منیٰ کے وارث! اے سیدۂ زنان فاطمہ زہراء کی جان!"

دیکھنے والے کہتے ہیں خدا کی قسم! مصیبت زدہ دکھیاری بہن کے اس پُردرد بیان سے کل حاضرینِ دربار رو پڑے۔ یزید سکتہ کی حالت میں رہ گیا۔

فتحمندی کی خوشی میں یزید نے اس دربار کے جشن کا خاص انتظام کیا تھا مگر حسین کی سوگوار بہن کے دلخراش بیان سے وہ دربار مجلس گریہ وبکا بن گیا اور سوگواریوں کی نالہ و فریاد کی آواز جب دارالامارہ میں پہنچی تو ایک زنِ ہاشمیہ

جو یزید کے محل میں رہتی تھی حسین کا نام سن کر فریاد کرنے لگی۔ اور نہایت بیقراری سے اپنے آقا کو یوں پکارنے لگی " اے میرے مولا! اے اہلِ بیت کے والی! اے محمدؐ کے دلارے! اے یتیموں اور رانڈوں کے سہارے! افسوس کربلا میں بداصلوں نے تجھے قتل کر دیا!"

محل شاہی میں بھی کوئی عورت ایسی باقی نہ رہی جو اس پُر درد بیان سے چیخ کر نہ روئی ہو۔

لیکن یزید پر اس گریہ وزاری کا اثر بس خفیف سا ہوا۔ اور اُس بڑھتے ہوئے حسینی غم والم کو دُور کرنے کے لئے اور حاضرین کے خیالات شہیدِ اسلام کی طرف سے بدلنے کے لئے اُس نے حکومت کے وقار کے ساتھ حکم دیا۔

" بید کی چھڑی لاؤ! فوراً چھڑی حاضر کی گئی تو یزید نے اس سے دندان مُبارک امام حسینؑ کو مارنا شروع کیا۔ مگر غیبی تحریک سے ایک معمولی شخص[1] کو یہ جُرأت ہوئی کہ اس نے بھرے دربار میں یزید جیسے قاہر وجابر بادشاہ کے اس فعل شنیع پر بلند آواز سے اعتراض کیا اور کہا " اے یزید! خدا تجھ سے سمجھے! تو حسین سبطِ رسول الثقلین کے دانتوں پر چھڑی مارتا ہے۔ ظالم! چھڑی نہ مار! میں نے اپنی

---

[1] یہ بزرگوار ابوبرزہ اسلمیؓ رسول اللہ کے صحابی ہیں مگر یزید کے دربار میں اُن کی شخصیت اس وقت عوام الناس سے زیادہ نہیں سمجھی گئی (از طرف مترجم)

آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول اللہ حسینؑ اور ان کے بھائی حسنؑ کے لبوں اور دانتوں کے بوسے لیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے حسنین! تم دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہو۔ خدا تمہارے قاتل کو غارت کرے! اس پہ خدا کی رحمت نہ ہو! جہنم اس کا ٹھکانا ہو۔"

یہ سنتے ہی یزید کو طیش آگیا۔ چوبداروں کو حکم دیا "اس کو نکال دو۔"

سپاہیوں نے ابو برزہ اسلمی کو گھسیٹ کر دربار سے باہر کر دیا اور یزید نے فخریہ بطور تمثیل ابن زبعری کے اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا۔

"کاش کربلا میں میرے بزرگ موجود ہوتے اور سفیانیوں کی محمدیوں پر یورش دیکھتے۔ اور شامیوں کا عراقیوں پہ نیزے چلانا اور تلواریں مارنا مشاہدہ کرتے تو خوش ہو ہو کر کہتے اے یزید! لڑائی سے ہاتھ نہ روکنا اور کشت و خون میں کسر نہ چھوڑنا۔ ہم نے جنگ میں سورما ہاشمیوں کے سب کس بل نکال دئے اور ہمیشہ کے لئے ہوائے جنگ اُن کے دماغ سے دُور کر دی۔ ہاشمی پیغمبر نے ملک و سلطنت کے لالچ سے دین اسلام کا بہانہ ڈھونڈا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نہ اُن کے پاس کوئی آسمانی خبر آتی تھی اور نہ اُن پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ ہاشمیوں نے امویوں کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں اُن سب کا میں نے بدلہ لے لیا۔ اور اگر نہ بھی لیتا تو بھی میں ہمت ہارنے والا نہ تھا۔ ایک نہ ایک روز ہاشمی نسل کو برباد کر کے رہتا۔"

یہ سننا تھا کہ جناب زینبؑ کھڑی ہو گئیں اور بعد حمد و ثنائے ایزدی و نعت محمدیؐ کے اس آیت کی تلاوت کی۔ ثم کان عاقبۃ الذین اساؤا السوء ان کذبوا بایات اللہ و کانوا بھا یستھزءون ٥ (برائی کرنے والوں کا انجام برا ہوا۔ اس لئے کہ انہوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے) اور فرمایا " اے یزید تیرے برے انجام کو خدا نے اس آیت کے اندر صاف صاف بیان کیا ہے چونکہ تو نے ہمارے لئے تمام راہیں مسدود کر دیں۔ اور تو نے ہم پر پورا پورا قابو پالیا ہے اور ہم کو اس درجہ رسوا کیا ہے کہ کربلا سے کوفہ تک اور کوفہ سے شام تک ہم کو مثل کنیزوں کے تشہیر کرا کے اپنے دربار میں طلب کیا ہے۔ کیا تجھے یہ خیال ہے کہ ان مظالم سے تیرا مرتبہ پیش خدا بلند ہو گیا ہے اور ہم مظلوموں کو خدا نے قعر مذلت میں گرا دیا ہے؟ کیا تو اپنی فتح مندی سے اس دھوکے میں پڑ گیا ہے کہ تو خدا کے مقربوں میں سے ہے؟۔

اب تیرے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے اور دماغ آسمان پر چڑھتا چلا جاتا ہے دنیا کے اس چند روزہ عیش و عشرت پر اور اپنی مرادوں کے پیہم حاصل ہونے پر تو نازاں ہے۔ اب تو تجھے ہماری طرف سے کوئی کھٹکا نہ رہا اور رسول اللہ کی سلطنت تیرے قبضہ میں آ چکی ۔ ظلم و ستم سے باز آ۔ جور و جفا سے ہاتھ اٹھا کلام پاک کو تو نے بالکل بھلا دیا۔ خدا فرماتا ہے ۔" کافروں کی اس مہلت میں جو ہم نے انہیں دی ہے بہتری نہ سمجھو۔ ہم نے تو ان کی رسّی کو اس لئے دراز کیا

ہے کہ جو کچھ فسق و فجور کرنا ہو کرلیں پھر تو رسوا کرنے والا عذاب بھگتنا ہی ہے
اے موذی! کیا انصاف یہی ہے کہ تو نے اپنی بیبیوں اور باندیوں کو تو پردہ میں
بٹھا رکھا ہے اور رسول زادیوں کو گرفتار کرکے شہر بشہر اور دیار بدیار پھرایا۔ غضب
خدا کا! تو نے رسول کی نواسیوں اور امام زادیوں کی پردہ دری کی اور ان کے سروں
اور چہروں کو بلوۂ عام میں بے مقنعہ و چادر کرا دیا۔ رسول اللہ کی امانتوں کو تو نے
دشمنوں کے حوالہ کر دیا جو انہیں کشاں کشاں لئے پھرے۔ شہری اور دیہاتی جنگلی
اور پہاڑی۔ شریف اور رذیل۔ قریب اور بعید سب ہی ہم کو گھور گھور کے دیکھتے
رہے۔ ہائے بے کسی! ہمارا والی و وارث نہ رہا۔ اے یزید! تجھ میں ذرا رحم
نہیں۔ اور رحم ہو کیونکر؟ تو تو ایسی جلاد اور بے رحم ماں کا بیٹا ہے جو جگروں اور
کلیجوں کو چباتی تھی۔ تیری تو پرورش ہی ایسے دودھ سے ہوئی ہے جو شہدا کے
خون سے بنا تھا تو بھلا کیوں ہماری بربادی میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھے گا! تو تو
ہمارا بڑا ہی جانی دشمن ہے تو نے اپنے زعم میں ہمیشہ ہم کو حقیر و ذلیل سمجھا ہے اور
ہماری طرف سے کینہ اور بغض تیرے دل میں بھرا ہوا ہے۔ اے ظالم! آخرت
سے تو ایسا نڈر ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے بھرے مجمع میں فرزند رسول الثقلین امام
حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی مار مار کر بے محابا کہتا ہے کاش میرے بزرگ
کربلا کی جنگ کا مشاہدہ کرتے تو خوش ہو ہو کر کہتے اے یزید لو! لڑائی سے
ہاتھ نہ روکنا۔ اور کشت و خون میں کسر نہ چھوڑنا۔ اور تو ایسا کہے بغیر رہ بھی نہیں

سکتا تو نے ذریت محمدؐ کا خون بہا کر اور خاندانِ عبد المطلب کے درخشندہ ستاروں کو خاک میں ملا کر ہمارے پرانے زخموں کو چھیل دیا اور ان کی سوزش زیادہ سے اور التہاب کو بڑھا دیا تو کربلا میں ہماری بربادی کا تماشا دکھانے کے لئے اپنے بڑوں کو بلاتا ہے اور تیرا یہ گمان ہے کہ تیری آواز اُن تک پہنچتی ہے۔ تو خود ہی بہت جلد انہیں کے ٹھکانے پر پہنچ جائے گا۔ اے ظالم! عنقریب تیرے لئے وہ وقت آتا ہے جب کہ تیرے ہاتھ شل ہو جائیں گے اور تیری زبان بند ہو جائے گی۔ اُس وقت تو پشیمان ہوگا اور آہ سرد بھر کر کہے گا۔

" کاش میں نبی کی ذریت کے ساتھ ایسا نہ کرتا اور ان کی شان میں ایسی گستاخی کے کلمات نہ کہتا۔

بار الہٰا! ہمارا حق دلا۔ اور ہمارے ظالموں سے انتقام لے۔ خداوندا! ان لوگوں پر اپنا غضب نازل کر جنہوں نے ہمارا خون بہایا اور ہمارے وارثوں کو قتل کیا۔ خدا کی قسم! ہماری خونریزی سے تو نے اپنی ہی کھال اُدھیڑی اور ہمیں تباہ کر کے تو نے اپنی ہی تباہی مول لی۔ عرصۂ محشر میں قدرت آلِ رسول کی پریشان حالی کو فراغ بالی سے بدل کر اُن کے بچھڑے ہوؤں کو یکجا کرے گی اور اُن کے تلف کئے ہوئے حقوق کی حق رسی فرمائے گی تو اس وقت رسول اور شافع محشر کی خدمت میں اس صورت سے حاضر کیا جائے گا کہ تیری گردن پر عترت نبی کی خون ریزی اور مخدرات عصمت و طہارت کی بے حرمتی کا بوجھ ہوگا۔ اے یزید! کیا تیرا یہ

گمان ہے کہ کربلا کے مسافروں کو تو نے قتل کر کے ان کا خاتمہ کر دیا اور وہ ہمیشہ کے لئے مر گئے۔ نا سمجھ وہ تو زندہ ہیں۔ اور خدا کے ساحتِ قرب میں روزی پاتے ہیں۔ اے یزید! عنقریب تجھے حاکمِ حقیقی کی بڑی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ جس عدالت میں تجھ پر دعویٰ دائر کیا جائے گا۔ خود رسول اللہ مدعی ہوں گے۔ جبریل امین اُن کے پیروکار۔ تو مدعا علیہ اور احکم الحاکمین جج ہوگا۔ اس وقت ساری قلعی کھل جائے گی۔ تیری حکومت کے مضبوط کرنے والوں اور تجھے خلافت کی گدی پر بٹھانے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ظلم کا انجام کیا ہوتا ہے اُس وقت تیرا اور تیرے بہی خواہوں کا بدتر سے بدتر ٹھکانا ہوگا نہ کوئی یار ہوگا، نہ مددگار۔ اگر چہ اے یزید! میں تیرے دربار میں اس وقت نہایت بے کسی اور مصیبت کی حالت میں لائی گئی ہوں مگر یاد رکھ! میں اس تیری حشمت و شوکت کو نہایت حقیر جانتی ہوں اور تیری ملامت اور سرزنش کو لازم سمجھتی ہوں۔ کروں کیا! دل میرا پاش پاش ہے اور کلیجہ میں آگ لگ رہی ہے۔

خدا کی شان! خدا کا لشکر تو مغلوب ہو۔ اور دشمنِ خدا کا یہ لشکر غالب ہو۔ جن کے ہاتھوں سے اب تک کربلا کے شہیدوں کا خون ٹپک رہا ہے اور جن کی زبانیں مظلوموں کا خون پی کر لذت کے چٹخارے لے رہی ہیں۔ اور خدا کی راہ میں شہید ہونے والوں کی پاک اور پاکیزہ نعشوں پر مکھیاں اُڑ رہی ہیں۔ ان کے اردگرد بجو دوڑتے ہیں۔ اور شہیدوں کے طیب و طاہر جسموں کو گرد و سنے

ڈھک دیا ہے۔ اے ناعاقبت اندیش! جس روز تیری سخت گرفت ہوگی اُس روز سوائے اعمال کے تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ خدا تو کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ میں اللہ ہی سے فریاد کرتی ہوں۔ اور اُسی کی ذات پر بھروسہ رکھتی ہوں تو خوب مکر و فریب سے دل بھر لے اور جی توڑ کر ہماری بربادی کی کوشش کر لے۔ خدا کی قسم! تو کبھی ہماری یاد کو مخلوقِ خدا کے دل سے بھلا نہیں سکتا اور نہ تو ہماری برابری کر سکتا ہے۔ تیرے نام پر ان مظالم کا بڑا دھبّہ ہے۔ یہ دھبّہ تیرے نام سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا۔ تیری عقل خبط ہوگئی ہے اور دنیا میں تیری زندگی بھی قلیل ہے۔ تیرا یہ ظاہری اطمینان حقیقت میں پریشانی ہے۔ اے یزید! میری یہ سب باتیں تجھ پر اُس وقت کھلیں گی جب کہ ایک منادی ندا کرے گا "آج کے دن ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے" خدا کا شکر ہے کہ اُس نے نانا جان کو تو سعادت اور مغفرت سے امتیاز بخشا اور بھائی جان کو شہادت اور رحمت سے سرفراز فرمایا۔ بارالٰہا! ان مصیبتوں کا جو میرے نانا محمد مصطفےٰؐ اور میرے مظلوم بھائی حسینؑ نے تیری راہ میں برداشت کی ہیں۔ انہیں بھرپور صلہ دینا ان کے درجات کو رفعت بخشنا اور خلافت کی مناسبت کو ہمارے لئے مخصوص رکھنا۔ بارالٰہا! تو حقیقت پر بڑی مہربانی کرنے والا اور اپنے بندوں کو چاہنے والا ہے۔ ہماری امداد کے لئے تو ہی کافی ہے۔ تجھ ہی کو ہم نے اپنے کل معاملات سونپ دئے ہیں" اس پر یزید نے ایک شعر پڑھا

جس کا مطلب یہ ہے۔

"اے زینبؑ! اس وقت کی تمہاری فریاد اور واویلا قابلِ گرفت نہیں ہے کیونکہ اس وقت تم اپنی زندگی سے بیزار ہو۔

پھر یزید نے شام کے اہل الرائے سے مشورہ کیا کہ ان اسیروں کے ساتھ اب کیا کیا جائے؟ انہوں نے صلاح دی کہ نسل ہاشمی کے ایک بچے کو بھی باقی نہ رکھنا چاہیئے۔

نعمان بن بشیر نے جو وہاں موجود تھے شامیوں کی تردید کی اور کہا۔ اہل بیت کے ساتھ رسول اللہ کا سا سلوک کرنا چاہیئے۔" اسی اثناء میں ایک شامی کی نظر فاطمہ دختر حسینؑ پر پڑی اور اس نے آپ کو کنیزی میں طلب کیا۔ فاطمہؑ یہ سن کر بیتاب ہو گئیں اور اپنی پھوپھی جناب زینب کی خدمت میں عرض کرنے لگیں "اے پھوپھی جان! باپ کا سایہ سر سے اُٹھتے ہی کیا میں کنیز بھی بنائی جاؤں گی؟ جناب زینب نے شامی سے مخاطب ہو کر فرمایا:" اے شخص تجھ میں مطلق حیا نہیں۔ اہل بیت کو کنیزی میں طلب کرتا ہے۔ اور خدا اور رسول سے نہیں شرماتا" اُس وقت شامی نے یزید سے پوچھا کہ یہ لونڈی ہے کون؟

یزید ۔ یہ حسینؑ کی ناز پروردہ دختر فاطمہؑ ہے۔ اور علی بن ابی طالب کی لختِ جگر زینبؑ ہے۔"

شامی ۔ کیا وہ ہی حسین جو فاطمہؑ کا بیٹا ہے؟ کیا وہ ہی علی جو ابوطالب کے

فرزند ہیں؟"

یزید۔ "ہاں۔"

یہ سنتے ہی شامی کا حال ندامت سے دگرگوں ہوگیا۔ غصہ میں آکر یزید سے کہنے لگا۔ او ملعون تو نے اپنے نبی کی عترت کو ہلاک کر دیا۔ مردوں کو قتل کیا۔ اور عورتوں اور بچّوں کو اسیر کیا۔ میں تو اسی دھوکے میں تھا کہ یہ سب روم کے قیدی ہیں۔"

یزید نے طیش میں آکر کہا۔ "بے ادب! تجھے بھی قتل کر کے میں ابھی ان سے ملائے دیتا ہوں۔ فوراً جلاّد کو حکم دیا گیا اور شامی کی گردن اُڑا دی گئی۔ اس کے بعد یزید نے خطیب کو طلب کر کے اس امر پر مجبور کیا کہ ممبر پہ چڑھ کر حسینؑ اور علی بن ابی طالب کو بُرا کہے۔ خطیب ممبر پر چڑھا اور نفس رسول اور فرزند بتول کی بُرائی کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ معاویہ اور یزید کی تعریف میں بہت مبالغہ کیا۔ امام زین العابدین سیّد الساجدین سے نہ سنا گیا اور فرمایا:۔

"اے خطیب! تجھ پر خدا کی پھٹکار۔ مخلوق کی خوشی حاصل کرنے کے لئے خالق کو ناخوش کرتا ہے۔ مفت میں جہنّم کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے۔"

ابن سنان خفاجی نے وصف امیر المومنین میں کیا خوب شعر کہا ہے۔

"تم منبروں پہ چڑھ چڑھ کر علانیہ علی کو بُرا کہتے ہو۔ حالانکہ تمہارا یہ منبر انہیں کی تلوار شرربار سے قائم ہوا ہے۔"

جس دن کا یہ ماجرا ہے جو ابھی لکھا گیا اُسی دن یزید نے اسیرانِ اہلبیت کو ایسے مکان میں پہنچا دیا جہاں اُن کے لئے نہ دن کی دھوپ سے بچنے کی کوئی جگہ نہ رات کی اوس سے پناہ ڈھونڈنے کا کوئی مقام۔ اس مکان میں اتنے دنوں رہنا ہوا کہ دھوپ اور اوس کے سبب ان مصیبت زدوں کے چہروں سے پوست اُتر گئے اور جب تک وہاں رہے برابر امام حسینؑ پر روتے ہی رہے۔

جناب سکینہ فرماتی ہیں ہمیں اُس گھر میں اُترے ہُوئے چوتھا دن تھا کہ میں نے خوابؔ میں ایک بی بی کو دیکھا۔ ہودج میں سوار ہیں اور غمزدوں کی طرح سر پہ ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ میں نے اُن کی بابت دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ معظمہ میری دادی اماں محمد مصطفےٰؐ کی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ ہیں۔ اُس وقت میں نے اپنے دل میں کہا میں اُن کی خدمت میں جا کر دادی اماں کو اپنے غم کی کہانی ضرور سناؤں گی۔ جناب سکینہ کہتی ہیں کہ میں تیزی سے دوڑی اور قریب پہنچ کر اُن کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ روتی تھی اور کہتی جاتی تھی۔

اے دادی اماں! خدا کی قسم! اُمت نے ہمارے حق کو نہ پہچانا اور مکر گئے دادی اماں! ہماری جماعت کو منتشر کر دیا۔ ہماری آبروریزی کو مباح سمجھا۔ دادی اماں خدا کی قسم! میرے بابا حسینؑ کو قتل کر دیا۔ جناب سکینہ فرماتی ہیں۔ اس پہ میری

ؔ مولف نے بلحاظ اختصار خواب کے آخری حصہ کو درج کیا ہے (مترجم)

دادی اماں بولیں۔

"بیٹیا زیادہ غم کی داستاں بیان نہ کرو۔ اس لئے کہ تمہارے بیان سے میرے دل کی رگیں کٹ گئیں اور میرا جگر بھن گیا۔

اے حسین کی لاڈلی! صبر کرو۔ جزا و سزا کا دن آنے والا ہے۔ اُس روز حسینؑ کا یہ خون بھرا کرتہ درگاہِ خدا میں پیش کر کے میں خود فریاد کروں گی۔"

عبداللہ بن لہیعہ کہتے ہیں، مجھ سے ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ میری ملاقات راس الجالوت (مقتدائے یہود) سے ہوئی تو اس نے کہا "خدا کی قسم! میرے اور حضرت داؤد پیغمبر کے درمیان ستر پشتیں حائل ہیں تو بھی جب یہود مجھے کہیں دیکھ لیتے ہیں۔ میری عزت اور عظمت کرتے ہیں۔ لیکن تمہارے نبی سے حسین کو صرف ایک پشت ہی کا فاصلہ ہے۔ ارے! تم نے کیوں کر اپنے نبی کے نواسہ کو قتل کر دیا۔"

امام زین العابدین فرماتے ہیں "جب یزید کے دربار میں میرے بابا کا سر پیش ہوا تو اُس نے روزانہ کا اپنا یہ ورد کر لیا کہ میرے بابا کا سر اطہر اپنے سامنے طلب کرتا اور مجلس شراب و کباب کا آغاز کرتا۔ ایک ہاتھ میں سر حسین ہوتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں شراب۔" ایک روز اس شراب کی محفل میں روم کا سفیر بھی آ گیا۔

یہ شخص معمولی حیثیت کا نہ تھا بلکہ روم کے شرفاء میں سے تھا۔ اور وہاں

کے اکابرین میں شمار کیا جاتا تھا۔ مظلوم کے سر کو دیکھ کر اُس نے یزید سے پُوچھا

اے عرب کے بادشاہ! یہ کس کا سر ہے؟"

یزید ۔ تجھے اس سر کی جستجو کیوں ہے؟

رومی سفیر :۔ جب میں یہاں سے اپنے بادشاہ کی خدمت میں جاؤں گا تو وہ مجھ سے میرے اس سفر کے کل مشاہدات کو دریافت کرے گا۔ چونکہ یہ تازہ واقعہ ہے چاہتا ہوں کہ اس سر کی حکایت بھی سنادوں۔"

یزید ۔ یہ علی بن ابی طالب کے فرزند حسین کا سر ہے۔

رومی سفیر ۔ حسینؑ کی ماں کا نام کیا ہے؟"

یزید ۔ "فاطمہ بنت محمدؐ"

رومی سفیر ۔ (یزید کو مخاطب کر کے)

تجھ پر اور تیرے دین و آئین پر تف ہے۔ ارے! تیرے دین سے تو میرا ہی دین لاکھ درجہ اچھا ہے۔ میں داؤد نبی کی نسل سے ہوں۔ میرے اور ان پیغمبر کے درمیان پشتوں کا بہت زیادہ فرق ہے۔ مگر تمام نصرانی میری تعظیم کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ میرے پیروں کے نیچے کی خاک اٹھا کر لے جاتے ہیں اور بطور تبرّک اس کو اپنے گھروں میں رکھتے ہیں۔ جس کی حقیقت اُن کے نزدیک صرف اتنی سی ہے کہ میرا سلسلۂ نسب جناب داؤدؑ تک پہنچتا ہے۔ افسوس! تم نے اپنے نبی کے نواسے کو تہ تیغ کر دیا حالانکہ تمہارے نبی اور اُن کے نواسے حسینؑ کے

درمیان بس ایک ماں کا فاصلہ ہے " پھر اُس نے یزید سے کہا تو نے کنیۃ الحافر
اکھڑ والے گرجے اکی حکایت سُنی ہے "

یزید :- " نہیں تو۔ بیان کر سننا چاہتا ہوں "

رومی سفیر :- روم سے چھ مہینے کی راہ پر عمان اور صینؑ کے درمیان ایک جزیرہ ہے جس میں صرف ایک شہر آباد ہے۔ اُس کا اسّی فرسخ مربع طول ہے۔ اُس نواح میں بڑا شہر وہی ہے۔ کافور اور یاقوت اسی شہر سے لایا جاتا ہے اور عود و عنبر کے درخت اسی زمین میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ شہر نصاریٰ کے قبضہ میں ہے اسی میں گرجے تو بے شمار ہیں مگر سب سے بڑا گرجا وہ ہی کنیۃ الحافر ہے اس کی محراب میں سونے کا ایک ڈبہ لٹکا ہوا ہے جس میں ایک کھر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ کھر اُسی گدھے کا ہے جس پر نصاریٰ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ سوار ہوا کرتے تھے۔ اُس ڈبہ پر طلائی کام کیا ہوا ہے۔ اور یہ پشمین غلاف سے ڈھکا ہوا ہے۔ ہر سال نصرانی کثیر تعداد میں وہاں جاتے ہیں۔ اس گرجے کا طواف کرتے ہیں اور اس ڈبہ کی طرف رُخ کر کے خدا کی جناب میں اُس کھر کا واسطہ دے کر اپنی اپنی حاجتیں بیان کرتے ہیں۔

مقام غور و تامل ہے کہ نصاریٰ تو اُس کھر کی تعظیم و تکریم کریں اور کلمہ گو

ؑ صین حوالی کوفہ میں ایک موضع ہے (مترجم)

اپنے نبی کے نواسہ کا خون بہائیں۔ اے مسلمانو! خدا ایسا کرے کہ اب دین و مذہب سے تمہیں کوئی واسطہ ہی نہ رہے اور خیر و برکت تم سے جاتی رہے۔

رومی سفیر کی اس لعنت و ملامت پر یزید نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور کہا اس نصرانی کو قتل کر دو۔ ورنہ اپنے ملک میں مجھے بدنام کرے گا۔"

اس ایمان کے متلاشی نے جب اپنی موت کا سامان دیکھا تو کہا۔

اے یزید! کیا تو نے میرے قتل کا واقعی ارادہ کر لیا۔

یزید۔ "ہاں"

رومی سفیر۔ (نڈر ہو کر) سُن اے یزید! گذشتہ رات کو میں نے تمہارے پیغمبر کی خواب میں زیارت کی۔ مجھ سے فرماتے تھے۔

اے نصرانی! تو ضرور بہشت میں داخل ہو گا۔ مجھے ان کے اس کلام سے حیرت تھی۔ اب میری شہادت نے اُن کی صداقت کو ثابت کر دیا۔ لہٰذا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے اور کوئی معبود نہیں محمدؐ اس کے سچے رسول ہیں۔ پھر دوڑ کر اس نے سید الشہداء کے سر مطہر کو اٹھا لیا اور سینہ سے چمٹا لیا۔ زار زار روتا جاتا تھا اور سر کے بوسے لیتا تھا، یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔

قیام شام کے زمانہ میں ایک دن امام زین العابدینؑ کا گذر دمشق کے بازار میں ہوا۔ منہال بن عمرو بھی وہاں آ گئے۔ دریافت کرنے لگے۔ فرزند رسول کیا حال ہے۔ فرمایا: "آلِ سفیان نے ہم پر وہ مظالم کئے ہیں جو آل فرعون بنی اسرائیل پر

کرتے تھے۔ ان کے مردوں کو تو قتل کرتے تھے اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اے منہال زمانہ کی نیرنگی دیکھو۔ عرب تو عجم پر محمد کے عرب میں پیدا ہونے کی وجہ سے فخر کریں اور قریش کی عرب پر محمدؐ کے قریشی ہونے کو اپنی شرافت اور فضیلت کے ثبوت میں پیش کریں مگر ہم پر جو خاص رسول اللہ کی عترت ہیں یہ ظلم ڈھایا جائے کہ ہمارے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ہمارے اسباب کو لوٹ لیا جائے۔ اے منہال! شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

" منبر کے تختوں کی تو مسلمان محض اس لئے تعظیم کرتے ہیں کہ وہ رسول کا منبر ہے۔ اگر اُسی رسول کی اولاد کو اُنہوں نے پیروں سے پائمال کر دیا اور خیال بھی نہ آیا کہ ہم کیا کر رہے ہیں! اے مسلمانو! تم نے حسین کو بیعت نہ کرنے کے جرم میں قتل کیا۔ بھلا یہ تو سوچو حسین تمہاری بیعت کیوں کرنے لگے تھے! تم کو تو خود اس بات پر فخر و ناز ہے کہ ہم رسول اللہ کے صحابی اور تابع ہیں۔ لہٰذا تم کو ان کی بیعت کرنی چاہئے تھی۔ علاوہ ازیں رسول اللہ نے بھی تم کو ان سے تمسک کا حکم دیا تھا۔

نوٹ۔ ایک دن یزید نے جناب علی بن الحسین اور عمرو بن الحسن کو دربار میں طلب کیا۔ عمر گیارہ برس کی تھی گویا ابھی بچہ ہی تھے یزید نے اپنے بیٹے خالد کی طرف اشارہ کر کے عمرو سے کہا۔ عمرو! تم خالد سے کشتی لڑو گے؟ عمرو نے جواب دیا کشتی دیکھ کر تجھ کو خاک لطف آئے گا۔ البتہ میرے اور اپنے بیٹے کے ہاتھ

صاحبِ مقتل لہوف ناقل ہیں کہ اسیرانِ حرم محترم مکانِ مذکور میں جب یزید کے حسب دلخواہ رہ لئے تو یزید نے امام زین العابدینؑ سے کہا! میں آپ کی تین حاجتیں پوری کرنا چاہتا ہوں بیان فرمائیے۔

امام نے فرمایا "پہلے میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے بابا کا رُوئے انور دیکھ لوں دوسرا امر یہ ہے کہ تیری سپاہ نے بابا کے قتل کے بعد جو ہمارا اسباب لوٹا ہے اُسے ہم کو واپس دے دے۔ تیسرے یہ کہ اگر تو میرے قتل ہی پر آمادہ ہے تو ان بیبیوں کو کسی معتبر شخص کے ہمراہ مدینہ پہنچوا دینا"

یزید نے جواب دیا "اپنے بابا کی صورت تو تم ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں قتل سے تم کو معاف کیا۔ اب اپنے حرم کو تم ہی مدینہ پہنچانا۔ اور جو کچھ تمہارا سازوسامان لوٹ لیا گیا ہے اُس کی دگنی اور تگنی قیمت میں تم کو دئے دیتا ہوں۔

امام نے فرمایا "ہمیں تیرے مال سے کچھ نہ چاہیئے وہ تو تجھی کو مبارک رہے میں نے تو ان تبرکات کو تجھ سے طلب کیا ہے جو ہم سے تیری فوج نے لوٹ لئے ہیں۔ اور وہ بھی اس لئے کہ اُن میں ایک تو میری جدۂ ماجدہ جناب فاطمہؑ کا چرخہ ہے ایک اُن معصومہ کا مقنعہ ہے۔ ایک اُن مخدومہ کا گلوبند ہے اور

بقیہ ۱۶۱ میں ایک ایک خنجر دے دے اور پھر دیکھو"

یزید نے کہا سچ ہے سانپ کا بچہ سپولیا ہوتا ہے۔

ایک اُن معظمہ کی قمیص ہے۔ اللہ رے جلالتِ فاطمہؑ! آپ کا نام سُن کر یزید جیسا سیاہ قلب کانپ گیا اور فوراً اس نے تبرکاتِ سیدہ کی واپسی کا حکم دے دیا علاوہ ازیں دوسو دینار بھی دئے۔ جن کو امام زین العابدین نے اُسی وقت فقراء ومساکین پر تقسیم کر دیا۔ پھر یزید نے حکم دیا کہ اسیرانِ آلِ محمدؐ کو مدینہ پہنچا دیا جائے [۱]

جب اسیرانِ ستم شام سے روانہ ہو کر عراق پہنچے تو اہل حرم نے رہبر سے منّت کی کہ بھائی ہم کو اُس راستہ سے لے چل جو کربلا کو جاتا ہے۔ جب یہ مصیبت زدہ اپنے وارثوں کی قتل گاہ پر پہنچے تو وہاں انہوں نے جابر بن عبداللہ انصاری کو مع چند ہاشمیوں کے موجود پایا جو قبرِ حسینؑ کی زیارت کو آئے تھے۔ چونکہ ان سب کا ورود کربلا میں ایک ہی وقت ہوا تھا۔ اس لئے سب نے مل کر ایک ساتھ رونا پیٹنا منہ پر طمانچے مارنا شروع کر دیا۔ اور ایسا ماتم کیا کہ جگر ٹکڑے ہوا جاتا تھا اس غم اور ماتم میں نینوا غاضریہ وغیرہ کی عورتیں بھی آکر شریک ہوگئیں۔ کئی دن تک یہ عزاداری کربلا میں رہی۔

---

[۱] صاحب مقتل لہوف لکھتے ہیں کہ سرِ سیّد الشہدائے کے حال میں بے شمار مختلف روایتیں ہیں جن کو ہم نے طوالت کے خوف سے یہاں نقل نہیں کیا صرف ایک روایت نقل کی جاتی ہے وہ یہ کہ امام کا سر کربلا واپس بھیجا گیا۔ اور وہاں جسد مطہر کے ساتھ ملا کر دفن کر دیا گیا۔

ابو حباب کلبی کہتے ہیں کہ کچھ کاروں کی جماعت نے خود مجھ سے بیان کیا کہ شب کے وقت ہم جنگل میں مقتل حسینؑ کی طرف سے گذرے تو جنات کو اس مضمون کا نوحہ پڑھتے سنا۔

"رسول اللہ حسین کی اس شرافت اور نجابت والی پیشانی پر بوسہ دیا کرتے تھے۔ حسین کے ماں باپ قریش کے سردار تھے اور نانا کے تو کہنے ہی کیا ہیں کسی کا نانا ایسا نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا"

غرض اہل حرم نے مدینہ کا قصد کیا اور کربلا سے روانہ ہوئے۔

بشیرؓ بن حذلم کہتے ہیں: "جب ہم مدینے کے قریب پہنچے تو امام زین العابدین نے سواری کے اونٹوں کو شہر کے باہر ہی رکوا دیا۔ خیمہ نصب کرایا۔ سیدانیوں کو محملوں سے اتار کر خیمہ میں پہنچایا۔ اور بشیر بن حذلم سے فرمایا: "بشیر! خدا تمہارے باپ پر رحم کرے وہ مرحوم تو شاعر تھے آیا تم کو بھی اس فن میں کچھ دخل ہے"

بشیر: "مولا! فدوی بھی باپ کی طرح شاعر ہے"

امام زین العابدینؑ: "خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ مدینہ میں جاؤ اور باشندوں کو فرزند رسول کے قتل کی خبر پہنچا دو"

بشیر کہتے ہیں میں امام کے جواب میں بہت اچھا کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوا

ؓ یہ وہ بزرگ ہیں جو یزید کے حکم سے اہل بیت کو مدینہ پہنچانے گئے تھے۔ (مترجم)

اور دوڑتا ہوا مدینہ میں داخل ہوگیا جب مسجد نبوی میں پہنچا تو میں نے چیخ چیخ کر رونا شروع کیا اور یہ کہنے لگا۔

" یثرب کے رہنے والو! حسینؑ کے تنِ نازنین کو کربلا کی تپتی ہوئی ریگ پر بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا۔

حسینؑ کے سر مبارک کو نوک نیزہ پر نصب کر کے جا بجا پھرایا گیا۔ اسی لئے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

اب مدینے کی سکونت تمہارے لئے خطرناک ہوگئی کیونکہ تمہارا کوئی سر دھرا باقی نہ رہا۔

مدینے والو! چلو۔ دیکھو امام زین العابدین اپنی پھوپھیوں اور بہنوں وغیرہ کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔ اور بیرونِ شہر فروکش ہیں۔ مجھے بھیجا ہے کہ تم لوگوں کو امام کے مدینے پہنچنے کی خبر کر دوں۔

یہ سننا تھا کہ مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا۔ کوئی عورت ایسی نہ تھی جو روتی پیٹتی گھر سے باہر نہ نکل پڑی ہو۔ عورتوں نے اپنے بالوں کو کھول دیا تھا۔ اپنے مونہوں کو نوچ ڈالا تھا۔ رخساروں پر طمانچے مار مار کر بلند آواز سے رو رہی تھیں ایک شخص جس نے اس گریہ و ماتم کے عالم کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ بیان کرتا ہے کہ ایسی زاری و بیقراری یا تو سرورِ کائنات کی وفات کے دن دیکھی گئی تھی۔ جس طرح رسول مقبول کی وفات کا دن مدینہ والوں کے لئے مصیبت

ہو گیا تھا۔ اِسی طرح آج کا دن گویا قیامت کا دن تھا۔ اس گریہ و ماتم کے عالم میں میں نے ایک لڑکی کو یہ نوحہ کرتے سُنا۔

"جس نے مجھے میرے آقا اور میرے مولا کی کہانی سنائی ہے اُس نے مجھے سخت اندوہ میں مُبتلا کر دیا ہے اور میری جان کو بے چینی اور بیقراری کی ایسی بیماری لگا دی ہے کہ اب کسی طرح کل نہ آئے گی۔

اے میری دونوں آنکھوں! اُس مقتول جور و جفا کی مُصیبت میں جس کے لئے عرشِ الٰہی ہل گیا اور آسمان و زمین میں تہلکہ پڑ گیا، رونے میں دریغ نہ کرو۔ اور دونوں مل کر ساتھ بہہ نکلو۔"

پھر اُس لڑکی نے کہا،

"خبر لانے والے! تو نے حسینؑ کے قتل کی خبر دے کر ہمارا وہ غم تازہ کر دیا جو رسولؐ کی وفات سے ہم کو ہوا تھا اور ہمارے اُن زخموں کو جو ابھی بھرے نہ تھے تو نے چھیل دیا۔ تو کون ہے خدا تیرا بھلا کرے؟"

بشیر نے کہا "میں بشیر بن حذلم ہوں۔"

مجھے میرے مولا علی بن الحسینؑ نے بھیجا ہے۔ اور خود وہ جناب شہر کے باہر ٹھہرے ہوئے ہیں۔

حسینؑ کے عیال و اطفال اور مخدرات عصمت و طہارت بھی اُن کے ساتھ ہیں۔

بشیر کہتے ہیں کہ مجھے تو سب نے وہیں چھوڑا۔ اور شہر کے کل مرد و عورت مجھ سے پہلے امام زین العابدین کی قیام گاہ پر جا پہنچے۔ جب میں نے دیکھا کہ میں اکیلا رہ گیا اور مدینہ خالی ہو گیا تو میں بھی گھوڑے پر سوار ہو کر خدمتِ امام میں جا پہنچا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ آدمیوں کی کثرت سے راستے بند ہو گئے ہیں گھوڑے سے اُترا۔ اور صفوں کو چیرتا ہوا خیمہ کے قریب پہنچ گیا۔ اُس وقت امام عالیمقام ایک رومال دستِ مُبارک میں لئے ہُوئے خیمہ سے باہر تشریف لائے جس سے اشکوں کو صاف فرما رہے تھے۔ پیچھے پیچھے خادم کرسی اٹھائے ہُوئے تھا۔ حکم پاکر ایک مقام پر اُس نے کرسی کو بچھا دیا اور حضرت اُس پر بیٹھ گئے مگر فرطِ گریہ سے بے قابو ہو رہے تھے۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی کہرام مچ گیا اور ہر جانب سے شورِ گریہ بلند ہو گیا۔ مدینہ والے بھی رو رو کر امام کو پُرسا دے رہے تھے۔ اُن کے آہ و نالہ کی فریاد سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین پھٹ جائے گی۔

غرض امام نے اشارہ سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ۔ اور اُن کا جوش و خروش برطرف ہو گیا تو آپ نے یہ خطبہ پڑھا۔

"کُل جہانوں کے پالنے والے کے لئے تمام خوبیاں ہیں جو اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ جزا و سزا کے دن اختیار اُسی کو ہو گا جو سب کا خالق ہے وہ اتنا دُور ہے کہ اُس کی دُوری اُونچے اُونچے آسمانوں سے بھی بڑھ گئی ہے وہ

اتنا قریب ہے کہ ہر تنہائی میں لوگوں کی کانا پھوسی کو سنتا ہے۔ ہم تہِ دل سے اُس کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُس نے ہم کو بڑے بڑے حادثوں اور سخت مصیبتوں میں ثابت قدم رکھا۔ یہ کلیجہ خدا نے ہم کو ہی عنایت کیا تھا کہ آدمؑ سے تا خاتمؐ جو مظالم کسی پر نہیں کیے گئے تھے وہ ہم پر پڑے۔ مگر ہمارے قدم جادۂ رضا و تسلیم سے سرمو نہ سرکے۔ مسلمانو! خدا نے ان مصائب کو ہمارے سر سے اس لئے دور نہ فرمایا کہ دنیا پر ہمارا جوہر کھل جائے۔ ہم اس احسان کو کس زبان سے بیان کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم کو شکریہ کی طاقت ہی نہیں یاد رکھو! حسینؑ کا قتل ہونا، ان کی عورتوں کا اسیر ہونا نوک نیزہ پر نصب کر کے ان کے سر کا دیار بدیار پھرایا جانا کسی طرح بھی سود مند نہ رہا۔ اور اسلام پر تو اس کا بہت ہی بُرا اثر پڑا۔ مدینہ والو! حسینؑ کا غم وہ غم ہے جس سے بڑھ کر کوئی غم نہیں۔ ایسے سانحہ کے بعد بھی تم میں سے کون ہے جو غم نہ منائے گا؟ اور کونسا وہ دل ہے جو ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے گا۔ اور کونسی وہ آنکھ ہے جو آنسو نہ بہائے گی؟ اور کونسا وہ کان ہے جو اسلام کی اس بربادی کو سُن کر دنیا کے اور سب واقعات کی طرف سے بے حس نہ ہو جائے گا؟

حسینؑ کے اُوپر تو ساتوں آسمان رو دیئے۔ سمندروں نے زاری کی۔ زمین نے گریہ کیا۔ مچھلیاں تڑپ گئیں۔ ملائکہ نے تسبیح چھوڑ دی۔ آسمان کے کل رہنے والوں نے سوگ منایا۔

مدینہ والو! حرمِ رسولؐ کو بے جرم و خطا پردیس میں تشہیر کیا گیا۔ و بار بہ بار پھرایا گیا اور اُن کے ساتھ وہ بُرا سلوک ہوا جو بندیانِ کفر و شرک کے ساتھ بھی نہیں ہوتا۔ نہ ہم نے اسلام میں کسی قسم کی رخنہ اندازی کی تھی اور نہ ہمارے آباد اجداد نے کسی کا کچھ بگاڑا تھا۔ پھر کس بات کا ہم سے بدلہ لیا گیا! سچ تو یہ ہے کہ ہمارے ساتھ بڑی ہٹ دھرمی کی گئی۔ خدا کی قسم رسولؐ اللہ نے جس قدر ہماری رعایت کے لئے مسلمانوں کو تاکید کی تھی یہی ہم سے لڑنے کی ان کو وصیت فرما جاتے تب بھی اس سے زیادہ ظلم و ستم نہ ہوتا۔ ہمارا ٹھکانا تو جوارِ رحمتِ الٰہی میں ہے صرف انہیں آزمائشوں کے لئے دنیا میں آئے تھے اور مصیبتوں سے چھوٹ کر بھی اُسی مقام پر پہنچ جائیں گے۔ مصیبتیں ہماری بڑی کھٹن اور دشوار ہیں! جن کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سخت اندوہ میں ڈالنے والی ہیں۔ نہایت بے چین کرنے والی ہیں۔ برداشت کرنے کی حد سے تجاوز کر گئی ہیں۔

کوئی ان کی تلخی کو چکھ نہیں سکتا نہ ان کے بوجھ کو اٹھا سکتا ہے۔ جو درد دکھ ہم نے پایا ہے اور جو صدمات ہم کو پہنچے ہیں اُس کا اَجر ہم خدا ہی سے چاہتے ہیں۔

امام کا کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ مدینہ کے ایک بزرگ صوحان بن صعصعہ بن صوحان کھڑے ہو گئے اور کہا۔ مولا! پاؤں سے معذور تھا۔

حضرت نے صوحان کی معذرت کو قبول فرمایا۔ ان کے حق میں اپنا

حسن ظاہر کیا اور فرمایا "صوحان! تم عند النّاس مشکور اور عند اللہ ماجور ہو گئے تمہارے ماں باپ پر خدا کی رحمت ہو!

لہوف کے مولف علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن طاؤس کہتے ہیں کہ پھر امام زین العابدین مع اہل و عیال مدینہ میں داخل ہوئے اور جب عزیزوں کے گھروں پر آپ کی نظر پڑی تو دیکھا کہ زبانِ حال سے نوحہ کر رہے ہیں۔ اور اُس ماں کی طرح جس کی کوکھ اُجڑ جائے اور گود خالی ہو جائے اپنے مکینوں کے لئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ اور یہ بین کر رہے ہیں " اے آنے والو! تم نے ہمارے مکینوں کو کہاں چھوڑا؟

رونے میں ہمارا ساتھ دو اور ماتم میں ہمارے شریک ہو۔ ان کی جدائی نے ہم کو گھلا دیا اور کریمانہ اخلاق کی یاد نے ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہا دیا۔ اُنہیں سے رات دن ہماری دلبستگی تھی۔ وہی ہمارے اندھیرے کے چراغ تھے۔ اُن کے ہوتے ہمیں سورج و چاند کی ضرورت نہ تھی۔ انہیں کے دم سے ہمارا شرف تھا۔ اور انہیں کی قوت سے ہم کو طاقت حاصل تھی انہیں کی بدولت ہماری زینت تھی اور اُنہیں کی عطا و سخا سے مالا مال ہونے کے سبب خلقت کی نظروں میں ہماری عزّت تھی۔ اُنہیں کی عبادات اور مناجات سحری سے ہم مسجدیں بن گئے تھے۔ اُنہیں کے صدقہ میں خدا نے ہم کو اپنے اسرار اور احکام کا مہبط قرار دیا تھا۔ آج اُن کے نہ ہونے سے

ہم ویران ہیں۔کل تک ہم ان کے دم سے آباد تھے اور گلزار بنے ہوئے تھے ہم سراپا سعادت تھے۔ہر بلا سے محفوظ تھے نحوست کا نام نہ تھا۔ زبانوں پر ہماری رفعت وشوکت کے چرچے تھے اور انہیں وجوہ سے ہم دنیا کے تمام قصروں اور محلّوں پر فخر کرتے تھے۔ہمارے ہی دروازوں سے گمراہوں کو ہدایت نصیب ہوتی تھی۔زمانہ ہماری آبادی اور خوشحالی نہ دیکھ سکا اور موت نے آخر اُن کو ہم سے چھین لیا۔ مدینہ سے اُن کو نکالا گیا اور وہ آوارہ وطن ہو کر دشمنوں کے زغہ میں گھر گئے پھر اُن نازنین جسموں پر تیر وتلوار کے وار ہونے لگے۔اور ہر عضو کے کٹنے کے ساتھ خوبیاں مٹنے لگیں۔انگشت مبارک کے قطع ہو جانے سے تسبیح خدا میں فرق آگیا۔ ہاتھ کٹتے ہی دنیا سے جُود وکرم اُٹھ گیا۔ زبان بند ہوتے ہی وعظ ونصیحت کا خاتمہ ہو گیا۔ سر کٹتے ہی اسلامی دنیا سے سرداری ختم ہو گئی۔ بہتّر گھنٹے کی بھوک اور پیاس میں گردن کی رگیں کٹتے ہی دنیا کی نعمتوں سے برکت جاتی رہی۔حسینؑ قتل ہو گئے تو اسلام نے جامع شریعت کی نعش پر رو رو کر یہ بین کئے۔

کس قدر خدا کے اخلاق کا مظہر تھی وہ ہستی جس کا خون ظالموں نے کربلا میں گھیر کر ناحق بہا دیا! کس درجہ اوصاف انبیاء کی جامع تھی وہ ذات جس کو مسلمانوں نے خاک میں ملا دیا! افسوس باعثِ ایجاد عالم کا نواسہ تین دن کا بھوکا پیاسا قتل ہو جائے اور اُمت کو آنسوؤں سے بھی دریغ ہوا اور روئے

تو کون ہے بے زبان مکان۔ مدینہ کے چٹیل میدان۔ مسجد کی محرابیں۔ سنّت اور واجب نمازیں۔ مدینہ والو! کربلا میں رسولؐ کا گھر اُجڑ گیا۔ عالم میں تہلکہ پڑ گیا مگر تمہیں مطلق خبر نہیں۔ اپنی اس بے خبری کا اگر تم کو کچھ بھی احساس ہو جائے تو تمہاری آنکھوں میں خونی منظر کا وہ نقشہ پھر جائے جو تمہارے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور ہمیشہ کے لئے حُزن و ملال میں مبتلا کر دے بلاؤں نے ہم کو گھیر لیا۔ اور دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ کاش ہم اپنے آقا کی تربت پر پہنچ سکتے یا ہم اُن کی تربت بن جاتے بلکہ ہم اگر انسان ہوتے تو اُن پر یہ ظلم ہونے ہی نہ دیتے۔ اور وفاداری و خدمت گذاری کا حق ادا کر دیتے۔ ہائے ہمارا کوئی ارمان نہ نکلا اور اَب حشر تک ہمارے لئے اُن کی جُدائی کا صدمہ اُٹھانا ہے۔"

ان مکانات پر جب ابن قتیبہ کا گذر ہوا تو وہ بے قرار ہو گئے۔ اور رو رو کر کہنے لگے " افسوس ان گھروں میں کل تک تو بڑی چہل پہل تھی۔ آج یہ ویران پڑے ہیں۔

خدایا! جس طرح مسلمانوں نے تیرے نبی کا گھر اجاڑا ہے اِس طرح تو دشمن کا گھر بھی اجاڑ نہ ہو۔

واضح رہے کہ اصل فتح تو حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ ہی نے تین دن کی بھوک اور پیاس میں قتل ہو کر حاصل کی ہے۔ اور اسی فتح سے انہوں نے

عالم کو مسخر کر لیا۔

رونا تو اس بات کا ہے کہ آلِ رسولؐ جو ہر مظلوم کی فریاد کو پہنچا کرتے تھے جب وہ خود نرغۂ اعدا میں گھر گئے تو ان کی فریاد کو کوئی بھی نہ پہنچا۔

حسینؑ کے غم میں سورج کو گہن لگ گیا۔ زمین لرز گئی۔ اور ملکوں میں قحط پڑ گیا۔

تعجب ہے! قاتل کا ہاتھ مظلومِ کربلا پر کیونکر اُٹھا؟ اور اُس بے رحم نے کیونکر فرزندِ رسولؐ۔ جگر گوشہ علی و بتولؑ پر تلوار چلائی؟ کاش کہ وہ ہاتھ جو مظلومِ کربلا پر وار کرنے کے لئے اٹھا شل ہو جاتا۔

ھدایت

مومنین کو چاہیئے کہ عزاداری امام حسینؑ میں امام زین العابدینؑ کی تاسّی کریں۔ اور خیال کریں کہ واقعہ کربلا کو یاد کر کے معصوم رات دن کیسی بے قراری سے رویا کرتے تھے۔ حضرت صادق آلِ محمدؐ فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین اپنے پدر عالی قدر کی مصیبت پر چالیس برس روئے۔ دن کو تو آپ روزہ رکھتے تھے اور رات بھر قیام و قعود اور رکوع و سجود میں بسر کرتے تھے۔ وقتِ افطار جب خادم آپ کے سامنے کھانا لاتا اور پانی کا جام بھر کر پیش کرتا اور کہتا "مولا! افطار فرمائیے" تو دیکھ کر آپ بیقرار ہو جاتے۔ فرماتے "کیونکر میں کھانا کھاؤں اور پانی پیوں! فرزندِ رسولؐ کو بھوکا پیاسا قتل کر دیا گیا۔ افسوس! مرتے دم تک مظلوم بابا کا خشک گلا بوند پانی سے تر نہ ہوا۔" بار بار آپ یہی فرماتے تھے اور بہترؑ کی یاد میں آنسو بہایا کرتے تھے یہاں تک کہ کھانا آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا اور پانی میں آنسو مل جاتے تھے۔

حضرت کے غلام سے روایت ہے کہ "ایک دن حضور بیابان کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی ساتھ ہو لیا۔ یکایک ایک کھردرے پتھر پر مولا نے اپنی پیشانی کو خالق کے سجدے میں رکھ دیا۔ میں بھی وہیں ٹھہر گیا۔ اور سنا کہ

رو رو کر تقریبًا ہزار مرتبہ آپ نے یہ فرمایا:

"اے اللہ میں واقعی تجھی کو اپنا معبود جانتا ہوں اور تیری ہی غلامی اور بندگی مجھے بھاتی ہے۔ میں تجھی پر ایمان لایا ہوں اور تیرے معبود ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔"

اس کے بعد سجدے سے سر اُٹھایا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ چہرۂ انور مع ریش مُبارک کے آنسوؤں سے تر ہے۔ میں قریب گیا اور عرض کیا "اے مولا! یہ بیقراری اور گریہ زاری کبھی ختم بھی ہوگی؟ فرمایا جناب یعقوب پیغمبر تھے اور پیغمبر زادے بھی۔ اور باوجودیکہ اُن کے بارہ بیٹے تھے۔ جب اُن کا ایک بیٹا اُن کی آنکھوں سے اوجھل ہوگیا تو اُس ایک بیٹے کی جُدائی کا ان کو اتنا قلق ہوا کہ تمام سر کے بال سفید ہوگئے اور کمر خمیدہ ہوگئی۔ میں نے تو اپنی آنکھوں سے اپنے بابا اپنے بھائیوں اور جوانانِ ہاشمی کو خاک و خون میں لوٹتا ہوا دیکھا ہے۔ میرا غم تو کبھی ختم نہ ہوگا۔

کتب مجالس، قصائد، مرثیہ جات و نوحہ جات

مقامِ اہلبیت :۔ دس بصیرت افروز مجالس کا مجموعہ از علامہ بشیر صاحب قبلہ انصاری۔ قیمت -/۵

عظمت اہلبیت :۔ دس بصیرت افروز مجالس کا دوسرا مجموعہ از علامہ محمد بشیر صاحب " ۷/۵۰

منتخبات دبیر :۔ مرزا دبیر لکھنوی کے دس چیدہ مرثیوں کا مجموعہ قیمت -/۳

سفینۃ البکا فی مصائب سید الشہداء۔

حدیث خوانی کی کتابوں میں سب سے زیادہ مقبول کتاب

کیف غم :۔ نئے سلاموں کا مجموعہ

از پروفیسر ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی -/۲

لبِ کوثر :۔ چہاردہ معصومینؑ کی محافل کے لئے قصائد اور قطعات کا مجموعہ

از ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی -/۲

آیاتِ وفا :۔ دو جدید مرثیے جن میں سے ایک میں حضرت ام کلثومؑ اور دوسرے میں حضرت عباس کی مکمل سیرت کو مستند تواریخ کی مدد سے پیش کیا گیا ہے ۲/۵۰

تذکرہ کرب و بلا :۔ تبلیغی سلام اور نظمیں ۲/۵۰

ملنے کا پتہ

افتخار بکڈپو (رجسٹرڈ) کرشن نگر لاہور

(القائم آرٹ پریس لاہور)

خورشید خاور ترجمہ شبہائے پشاور

یہ کتاب گیا ہے ان علمی مباحث کی روئداد ہے جو ہمارے سلطان الواعظین
شیرازی مدظلہ اور کابل کے اکابر علمائے احناف جناب مولانا محمد رشید اور
مولانا شیخ عبدالسلام کے مابین جناب فخر قوم مرزا یعقوب علی خاں قزلباش
رئیس اعظم پشاور کے دولت کدہ پر ۲۳ رجب ۱۳۴۵ھ سے شروع ہو کر
ہر شب بعد نماز عشاء چند رؤسائے شہر اور دیگر علمائے اہل اسلام کی
موجودگی میں مسلسل دس راتوں ہوتے رہے۔ جس پُر سکون ماحول، صلح و
آشتی اور تحمل و حلم کی فضا میں یہ مباحث ہر شب چھ سات گھنٹے ہوتے رہے
اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یوں تو لاتعداد مناظرے اور مباحث ہوئے جن کی
روئداد سے کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن ان میں تحقیقی کم اور الزامی رنگ
زیادہ نظ
شبہات ا
مذہب ح
مباحثہ کے
لے مذہب

کتب خان

ندائے عدالتِ انسانی

حضرت امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام کی یہ سوانح عمری لبنان کے
یک عیسائی محقق جارج جرداق کی مشہور عالم تصنیف "صوت العدالۃ
الانسانیۃ الامام علیؑ" کا اردو ترجمہ ہے۔ ایسے نفیس اسلوب سے یہ کتاب
لکھی گئی ہے اور امیر المومنینؑ کی زندگی کے ایسے ایسے گوشوں کی طرف اس
عیسائی مصنف نے توجہ دلائی ہے کہ آج تک کسی مسلم یا غیر مسلم مصنف کو
ان عنادین پر قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اردو میں پہلی مرتبہ دفتر اصلاح کے
عام فہم اردو زبان میں شائع کی۔ (قیمت

تعبیر الرؤیا (تعبیر نامہ خواب)

یہ معتبر کتاب کئی ہزار خوابوں اور ان کی تعبیرات پر مشتمل